اُردُو نثر کی داستان

قسط ۵

ہر ماہ کی یکم تاریخ کو

میر امن دہلوی کی "باغ و بہار"
اور حیدر بخش حیدری کی "آرائش محفل"
کے بعد ـــــ حیدری کی
"توتا کہانی" تک۔

مؤلف:
اے حمید

۵
روشن کتابیں
مطبوعات شیخ غلام علی، ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

اُردو ادب کے شائقین کے لیے روشن کتابوں کی
ایک خصوصی پیشکش

اُردو نثر کا ایک مستند تاریخی و ادبی سلسلہ

اُردو نثر کی داستان

قسط ۵

فورٹ ولیم کالج کی نثر کے نمونے۔ آرائشِ محفل کے بعد
حیدر بخش حیدری کی "توتا کہانی" تک

*

مؤلف:
اے حمید

مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انار کلی، لاہور

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی
زبان کی روشن کتابوں کا انتخاب

نگرانِ : شیخ نیاز احمد
مُدیرِ مسئول : ارشد نیاز
مُدیر : رب نواز ملک

مجلسِ مشاورت :
اے حمید - ایم - ایس ناز
محمد حنیف شاہد - عینکاف خالد

آرٹسٹ : سلیم اختر

طابع : شیخ نیاز احمد
مطبع : غلام علی پبلشرز، لاہور

ادارہ :
مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

ٹیلیفون نمبر :
۵۷۹۰۸ ۶۱۸۵۹ ۲۱۳۰۲۰

تار :
کتاب مین (KITABMAN) لاہور

آرائشِ محفل اور توتا کہانی

'اُردو نثر کی داستان' میں داستانوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ فورٹ ولیم کالج کی نثر کے نمونے پیش کیے جا رہے ہیں۔ قسط نمبر ۴ میں میر امّن دہلوی کی 'باغ و بہار' کا ذکر ہُوا تھا۔ 'باغ و بہار' پڑھنے کے بعد ایک قاری بخوبی یہ اندازہ کر سکتا ہے کہ میر امّن کو زبان پر کتنی قدرت حاصل ہے۔ اگرچہ انھوں نے نثر میں جابجا ثقیل الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن یہ الفاظ قاری کی طبعِ نازک پر گراں گذرنے کی بجائے بے حد دلکش لگتے ہیں اور لطیف احساس کا پتہ دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہ داستان عوام اور خواص دونوں سے قبولیت کی سند حاصل کر چکی ہے۔ موجودہ دور کے نامور نقاد پروفیسر سیّد وقار عظیم (جنھیں مرحوم لکھتے ہُوئے قلم کانپ کانپ جاتا ہے۔) 'باغ و بہار' پر رائے زنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "میر امّن نے اپنے زمانے کی معاشرت، رسم و رواج کا حال اس طرح بیان کیا ہے کہ ہم اپنے آپ کو اس عہد میں زندگی بسر کرتے ہوئے محسوس کرتے ہیں۔"

'باغ و بہار' کے بعد فورٹ ولیم کالج کے ایک اور مشہور نثر نگار حیدر بخش حیدری کی 'آرائشِ محفل' کا ذکر ہو رہا تھا۔ حیدر بخش حیدری نے اس کتاب کو فورٹ ولیم کالج کے جان گل کرائسٹ کے ایما پر فارسی زبان سے اُردو میں منتقل کیا۔ یہ صرف ترجمہ ہی نہیں بلکہ اس میں زیبِ داستان کے لیے بہت کچھ بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے۔ اس میں حاتم طائی کے سات سفروں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جناب اے حمید نے بڑے خوبصورت انداز میں اس پوری کتاب کی تلخیص "اُردو نثر کی داستان" میں شامل کر دی ہے۔ یہ تلخیص پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ قارئین اسے پڑھ کر اُس دور کی داستانوں کے بارے میں ایک ٹھوس اور حقیقت پسندانہ رائے قائم کر سکیں۔

'آرائشِ محفل' کے بعد حیدر بخش حیدری کی ایک اور کتاب 'توتا کہانی' کا تذکرہ بھی اس قسط میں موجود ہے۔ 'توتا کہانی' ۱۸۰۱ء میں لکھی گئی اور نصاب میں شامل ہُوئی۔ "آرائشِ محفل" کی طرح حیدری کی یہ کتاب بھی بے حد مقبول ہوئی اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہُوئے۔ اس کتاب کا انگریزی زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

قارئین! 'اُردو نثر کی داستان' کے ساتھ ہی آج ہم حُسن پرستوں کے انجام کا نظر کا دوسرا حصہ بھی پیش کر رہے ہیں۔ ۱۰ - جنوری کو 'مُسلم شخصیات کے انسائیکلوپیڈیا' کے ساتھ ابنِ انشا کا شوخ و شنگ اور مُسکراتا ہُوا سفر نامہ 'آوارہ گرد کی ڈائری' آپ کی خدمت میں پیش کیا جائے گا۔

نیاز احمد

ضروری تصحیح

قارئین! "اُردو نثر کی داستان" قسط ۴ کے ٹائیٹل اور اداریے میں "باغ و بہار" کے مصنف میر امّن دہلوی کا نام "مراتن" لکھا گیا ہے جو کہ بالکل غلط ہے براہِ کرم تصحیح فرمالیجیے۔ ادارہ اس سہو پر اپنے قارئین سے بےحد معذرت خواہ ہے۔

حیدر بخش حیدری کی آرائش محفل کی تلخیص

حاتم کا چوتھے سوال کیلئے جانا

حاتم نے جوں توں کر کے دن کاٹا۔ شام ہوئی تو پھر وہی کل کا سماں پیش ہوا۔ آج بھی اس کے لئے کھانے کا خوان سج کر آیا اور جب اس نے کھانے سے انکار کیا تو پری نے کہا۔

"پہلے کھانا کھا لو۔ پھر ہماری ملکہ کے پاس چلنا"

حاتم نے کھانا کھایا اور اس پری کے ساتھ محفل میں پہنچا۔ قریب جا کر دیکھا تو اسی سر والی عورت جس کا سر درخت کی سب سے اونچی شاخ پر لٹکا ہوا تھا مسند پہ بیٹھی تھی۔ حاتم نے دریا کی سطح پر پاؤں رکھا تو اس کا جسم پانی میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں زمین پر پیر ٹکے تو دیکھا نہ وہ دریا ہے۔ نہ وہ درخت اور نہ وہ محفل۔ بس ایک لق و دق صحرا میں کھڑا ہے۔ حاتم گھبرا کر اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ جب کہیں کوئی راستہ نہ ملا تو رونا شروع کر دیا۔ اسی طرح بغیر کھائے پیئے سات دن گذر گئے۔ سمجھتا تھا کہ یہیں مر جاؤں گا۔ کہ اللہ کے حکم سے خواجہ خضر علیہ السلام نمودار ہوئے اور حاتم سے کہنے لگے۔

"اے حاتم! تو نے یہ کیا حال بنایا ہے کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اُس نے مجھے یہاں تمہاری رہنمائی کے لئے بھیجا۔ بتا کیا چاہتا ہے؟"

حاتم نے عرض کی کہ اے پیرو مرشد۔ پہلے مجھے یہ بتایئے کہ اس جگہ کا نام کیا ہے اور میں یہاں کیسے آیا؟ حضرت نے فرمایا کہ اس صحرا کا نام صحرائے خبر پرس ہے۔ جس تالاب میں تو نے غوطہ مارا تھا وہ طلسم کا ہے۔ اور احمر جادوگر نے اپنی بیٹی کو قید کرنے کے واسطے بنایا ہے۔ اور اُس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی لڑکی نے اپنے باپ سے کہا تھا کہ میری شادی کر دیجئے۔ اس لئے اسکے باپ نے یہ سزا دی ہے۔

حاتم بولا۔ یا حضرت! مجھے تو وہ پری اتنی پسند آئی ہے کہ ذرا سی دیر بھی اس کے بغیر زندہ نہیں رہا جاتا۔ آپ کسی طرح مجھے وہاں پہنچا دیجئے۔ حضرت نے فرمایا۔ لو میرا عصا پکڑ کر آنکھیں بند کر لے۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ اور آنکھ جھپکاتے ہی پھر اسی طلسم کے درخت کے پاس پہنچ گیا۔ اس مرتبہ حاتم نے کہیں بیٹھ جانے کے بجائے یہ سوچا کہ درخت پر چڑھ جائے۔ یہ سوچ کر درخت کے نیچے آیا۔ لیکن اس کے وہاں جاتے ہی درخت اتنے زور زور سے ہلنے لگا جیسے زلزلہ آیا ہو۔ اور پھر ایک تڑاتے کی آواز آئی۔ درخت کا تنا پھٹ گیا اور حاتم اس میں سما گیا۔ حاتم ڈرا کہ یہ کیا آفت آئی کہ حضرت خواجہ خضر پھر تشریف لائے۔ انہوں نے درخت پر اپنا عصا مارا تو وہ موم کی طرح نرم ہو گیا۔ حاتم اس میں سے باہر نکل آیا اور حضرت کے پیروں پر گر پڑا۔ حضرت نے فرمایا۔

"حاتم تو کیوں ناحق اپنے آپ کو مصیبتوں میں پھنساتا ہے؟"

حاتم نے عرض کی کہ یا حضرت! جس طرح بھی ہو میں شہزادی زریں پوش سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت خضر نے فرمایا۔

"اس خیال سے باز آ۔ اس لئے کہ جب تک احمر جادوگر زندہ ہے۔ کوئی اس کی لڑکی سے شادی نہیں کر سکتا"۔

حاتم نے کہا۔

"اگر مرنا اسی طرح قسمت میں لکھا ہے کہ جادو میں پھنس کر مارا جاؤں تو میں اسی میں خوش ہوں۔ لیکن موت کے ڈر سے اس خیال سے باز رہنے کو بزدلی سمجھتا ہوں"۔

حضرت خواجہ خضر نے دیکھا کہ حاتم اپنی دھن کا پکا ہے اور کسی طرح اپنے ارادے سے باز نہ آئے گا تو فرمانے لگے۔

"اے حاتم! ہم تیرے پختہ عزم سے متاثر ہوئے ہیں۔ اگر تیری یہی خوشی ہے تو میں تمہیں اسم اعظم سکھائے دیتا ہوں۔ اس کے اثر سے تجھ پر کوئی جادو اثر نہ کرے گا"۔

غرض حضرت نے حاتم کو اسم اعظم سکھا دیا اور پھر اُسے پلک جھپکاتے جادوگر کی سرزمین میں پہنچا دیا۔ یہ سرزمین کوہ احمر کہلاتی تھی اور وہاں سوائے ایک پہاڑ کے کہ آسمان سے باتیں کرتا تھا، اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ حاتم نے اس پہاڑ پر چڑھنا شروع کر دیا۔ پتھروں نے اسطرح پیر پکڑے کہ ایک ایک پیر سو سو من کا معلوم ہونے لگا۔ لیکن اسم اعظم پڑھتے ہی وہ بوجھ جاتا رہا اور حاتم کے پیر پھول کی طرح ہلکے ہو گئے۔ وہ اسم اعظم پڑھتا ہوا اوپر چڑھ گیا۔ اوپر جا کر ایک پُر فضا میدان ملا۔ جس میں ایک نہایت شفاف چشمہ بہہ رہا تھا۔ اور اس کے چاروں طرف ہر طرح کے میوہ دار درخت لگے ہوئے تھے۔ حاتم چشمہ میں نہایا اور اسی کے کنارے بیٹھ کر اسم اعظم پڑھنے لگا۔ اسم اعظم کے زور سے سارے جانور جادوگر کی طرف بھاگے۔ احمر جادوگر کو اپنی جادو کی کتاب سے حاتم کے آنے کا حال معلوم ہوا تو اس نے سوچا کہ کوئی ایسی ترکیب کروں کہ وہ اسم اعظم بھول جائے۔ یہ سوچ کر جادو کے زور سے پریوں کا ایک غول پیدا کیا۔ ان میں سے ایک پری ملکہ زریں پوش کی شکل کی تھی۔ ان پریوں نے جا کر حاتم کو گھیر لیا۔ اور جو پری ملکہ زریں پوش کی شکل کی تھی۔ وہ جا کر حاتم کے پاس بیٹھ گئی حاتم اُسے دیکھ کر اتنا خوش ہوا کہ اسم اعظم پڑھنا چھوڑ دیا۔

بس جادوگر نے اُسے فوراً گرفتار کر کے چاہ آتشیں میں ڈلوا دیا۔ اور اُسے ہزار من کی لوہے کی سِل سے جو آگ کی طرح سُرخ تھی اوپر سے ڈھک دیا۔ لیکن حاتم کے پاس جو مہرہ تھا اسکے اثر سے وہ آگ سے محفوظ رہا۔ جادوگر کو یہ بات معلوم ہو گئی کہ مہرہ کے اثر سے حاتم کو آگ نے کچھ نہیں کیا ہے اس لئے اس مرتبہ اس نے جادو کی پری سے کہا کہ وہ مہرہ کسی طرح اس سے چھین لے۔ یہ سوچ کر جادوگر نے حاتم کو چاہ آتشیں سے نکال کر آزاد کر دیا۔ حاتم پھر حوض کے کنارے بیٹھ کر اسم اعظم پڑھنے لگا۔ اتنے میں نقلی زریں پوش اس کے پاس آئی اور پیار و محبت کی باتیں کر کے اس سے مہرہ مانگا۔ حاتم مہرہ دینے ہی والا تھا کہ کسی نے للکار کر کہا۔

"حاتم! یہ کیا کرتا ہے۔ اگر تو نے مہرہ دے دیا تو تیری جان کی خیر نہیں۔ احمر جادوگر نے تجھے دھوکہ دینے کے لئے نقلی زریں پوش جادو کے زور سے بنائی ہے۔ وہی تیرے پاس بیٹھی ہے۔ اگر تو چاہے تو آزما کر دیکھ لے۔ اِسم اعظم پڑھ۔ اگر یہ اصلی زریں پوش ہوئی تو یہیں بیٹھی رہے گی نقلی ہو گی تو اِسم اعظم کے زور سے پگھل جائے گی"۔

حاتم نے ایسا ہی کیا۔ جوں ہی اسم اعظم پڑھا۔ پری کانپ کر اس کے پاس سے ہٹ گئی۔ اور دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہو گئی۔ باقی پریاں بھی اسی طرح جل گئیں۔ اب احمر جادوگر نے شیطان کو بلا کر اس کی خوشامد کی اور کہا کہ کسی طرح مجھے حاتم سے نجات دلا۔ پہلے تو شیطان بولا کہ اسم اعظم کے آگے میرا کچھ زور نہیں چل سکتا۔ لیکن آخر کار راضی ہو گیا۔ اور رات کے وقت حاتم کو نیند میں ایسا غافل کیا کہ جادوگر کے چوکیداروں نے اسے ایک جگہ قید کر دیا اور جب ہوش آیا۔ تو حاتم نے گھبرا کر ادھر اودھر دیکھا اور چوکیداروں میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے اپنی طرف بلایا۔ اس چوکیدار کا نام سرنگ تھا۔ حاتم نے سرنگ سے کہا کہ میرا ایک کام کر دو تو تمہیں بہت بڑا انعام دوں گا۔ اس نے کہا کیا؟ حاتم نے کہا۔ مجھے یہاں سے نکال کر حوض پر لے چل۔ سرنگ نے کہا۔

"اگر مجھے مہرہ دینے کا وعدہ کرو تو تمہاری مدد کے لئے تیار ہوں اور تمہیں یہاں سے نکال کر حوض پر پہنچا دوں گا۔"

حاتم نے وعدہ کر لیا اور سرنگ دوسرے چوکیداروں کی نظر بچا کر حاتم کو حوض

کے پاس لے گیا۔ حاتم نے وہاں جاکر پانی میں غسل کیا۔ وضو کیا اور پھر اسم اعظم پڑھنے لگا۔

احمر جادوگر کو حاتم کے رہا ہونے کی خبر ملی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ساری کارستانی سرنگ کی ہے تو غصہ سے آگ بگولا ہو گیا۔ چاہا کہ سرنگ کو جلا کر خاک کر دے کہ حاتم نے اس پر اسم اعظم پڑھ کر پھونک دیا اور وہ جادو کے اثر سے محفوظ رہا۔ غرض جادوگر اسے مارنے کے لئے جو تدبیریں کرتا۔ اسم اعظم کے زور سے وہ سب کی سب بیکار جاتیں۔ آخر حاتم نے سوچا کہ جادوگر احمر یوں نہ مانے گا۔ مجھے اس کی طرف چلنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر حوض پر سے اٹھا اور اسم اعظم پڑھتا ہوا احمر کی طرف چلا۔ سرنگ اس کے ساتھ ہو لیا۔ جب احمر جادوگر کو حاتم کے اس طرح آنے کی خبر ہوئی تو اپنا لشکر ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلا اور سحر پڑھنے لگا۔ جادو کے زور سے گھنگھور گھٹا اٹھی۔ بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگے۔ یہ دیکھ کر سرنگ بید کی طرح کانپنے لگا۔ اور حاتم سے کہا۔

“اے حاتم! خبردار ہو جا۔ یہ جادو کا اثر ہے۔ احمر جادوگر تم پہ جادو کر رہا ہے اور وہ بڑا مکار جادوگر ہے!”

حاتم نے فوراً اسم اعظم پڑھ کر آسمان کی طرف پھونکا تو وہ ساری آفتیں الٹی جادوگر کے لشکر پر جا کر گریں۔ اب تو احمر جادوگر بہت گھبرایا۔ اور سوچا کہ حاتم مجھ سے بھی بڑا جادوگر ہے۔ میرا اس سے جیتنا مشکل ہے۔ پھر بھی اُس نے ایک اور وار کیا۔ اپنے جادو کے زور سے ایک بہت بڑا پہاڑ بنایا۔ وہ حاتم کے سر کی طرف بڑھنے لگا۔ سرنگ نے کہا۔

“حاتم ہوشیار ہو جا! احمر جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے تم پر دوسرا حملہ کیا ہے۔ اس سے بچ سکتا ہے تو جلدی اپنے آپ کو بچا لے!”

حاتم نے فوراً اسم اعظم پڑھا تو وہ پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور اس کے ٹکڑے احمر جادوگر کے آدمیوں پر جا کر گرے اور یوں مزید چار ہزار جادوگر ہلاک ہو گئے۔ احمر گھبرا کر بھاگا۔ حاتم نے اس کا پیچھا کیا تو احمر نے ایک اور افسوں پڑھا تو چار اژدہے پیدا ہوئے لیکن اسم اعظم کی تاثیر سے وہ اسی کے لشکر پر جا گرے اور لشکر کو نگل گئے۔ لیکن جادوگر نے اپنے جادو کے زور سے انہیں اژدہوں کے منہ سے نکلوا لیا۔ مگر جادوگر اتنے گھبرائے ہوئے تھے کہ احمر کو چھوڑ کر بھاگے۔ اس نے بہت بلایا لیکن وہ نہ لوٹے۔ احمر نے غصہ میں آکر اپنے جادو سے ان سب کو درخت بنا دیا۔ اور منتر پڑھ پڑھ کر اُن پہ پھونکنے لگا۔ لیکن جب کسی منتر نے بھی حاتم پہ کوئی اثر نہ کیا تو احمر جادوگر ہوا میں اُڑا اور دیکھتے دیکھتے نظروں سے غائب ہو گیا۔

سرنگ نے کہا۔

“اے حاتم! اب احمر اپنے استاد کملاق جادوگر کے پاس گیا ہے۔ وہ اتنا بڑا جادوگر ہے کہ اس نے ایک آسمان اور اس کے چاند ستارے بنا رکھے ہیں۔ ایک پہاڑ کے دامن میں اس نے ایک شہر آباد کر رکھا ہے جس میں چالیس ہزار جادوگر رہتے ہیں اور اُسے (نعوذ باللہ) خدا سمجھتے ہیں۔ اس کا شہر یہاں سے تین کوس پر ہے۔”

حاتم نے کہا کہ اس کا خدائی کا دعوے جھوٹا ہے۔ اس لئے کہ خدا بس ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں۔ تم نے ابھی دیکھا کہ مجھ پر کسی جادو نے اثر نہیں کیا۔ یہ اسی اللہ کے نام کی برکت ہے۔ سرنگ نے کہا۔

“میں تمہارے خدا پر ایمان لاتا ہوں۔ اور آج سے تمہارا غلام ہوں۔ تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گا اور خدا کے ساتھ کبھی کسی کو شریک نہ کروں گا۔ جو حکم دو گے سر بجا لاؤں گا۔”

حاتم نے کہا۔

“تو پھر اب تم ایسا کرو کہ مجھے کسی طرح سے احمر جادوگر کے اُستاد کملاق جادوگر کے پاس لے چلو۔”

سرنگ بولا۔

“میں تابعدار ہوں۔ لیکن چلنے سے پہلے ایک کام کر لو۔ یہ ہزاروں درخت جو اس میدان میں نظر آ رہے ہیں۔ اصل میں جادوگر ہیں جنہیں احمر جادوگر نے جادو کے زور سے درخت بنا دیا ہے۔ اور اب یہ قیامت تک ایسے ہی رہیں گے۔ لیکن اگر تم کسی طرح انہیں اصلی حالت پر لے آؤ تو وہ زندگی بھر تمہارے قدموں میں رہیں گے۔”

حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا تو سارے درخت آدمی بن گئے اور سرنگ سے سارا ماجرا پوچھنے لگے۔ سرنگ نے اول سے آخر تک سب باتیں سنا دیں۔ تو وہ سب کے سب حاتم کے پیروں پر گر پڑے۔ اور کہنے لگے۔

“اے نیک شخص! جو احسان تم نے ہمیں آزاد کر کے ہم پر کیا ہے ہم اس کا بدلہ کیسے چکائیں؟ آج سے تو ہمیں بھی اپنا غلام سمجھ اور جو خدمت ہم سے چاہے لے۔”

حاتم نے کہا۔ میرا ارادہ تو کملاق جادوگر کے پاس جانے کا ہے۔ کملاق کا نام سُن کر سارے جادوگر گھبرائے۔ اور کہنے لگے۔ حاتم! کملاق بہت بڑا جادوگر ہے۔ اُسے زیر کرنا آسان بات نہیں ہے۔ حاتم نے ہنس کر کہا۔

“اے دوستو! اگر تم اللہ کے نام کا اثر دیکھنا چاہتے ہو تو میرے ساتھ چلو۔ ورنہ میں تم سے زبردستی نہیں کرنا چاہتا۔ تم چاہو تو یہیں آرام کرو۔”

جادوگر بولے۔

“اے حاتم! ہم ہرگز ہرگز کمزور دل یا بزدل نہیں ہیں اور نہ بے مروّت ہیں۔ ہم تمہیں اکیلا وہاں نہیں جانے دیں گے۔ تیرا جو حشر ہوگا۔ وہی ہمارا بھی ہوگا۔ دیکھا جائیگا۔”

غرض حاتم سرنگ اور دوسرے جادوگر کملاق جادوگر کے شہر کی طرف چلے۔ ایک منزل چل کر تالاب کے کنارے پہنچے۔ جادوگر سب کے سب پیاسے تھے۔ پانی دیکھتے ہی ٹوٹ پڑے۔ لیکن پانی پیتے ہی ایسا ہوا کہ سب کے ناخنوں سے خون کے فوارے چھوٹنے لگے۔ اسی طرح رات گذر گئی۔ صبح تک وہ سب کے سب مشک کی طرح سے پھول گئے۔ حاتم اُن کی حالت دیکھ کر روتا تھا۔ لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے؟ آخر یہی سوچا کہ ان پر اسم اعظم پڑھ کر پھونکوں شاید کارگر ہو۔ یہ سوچ کر اس نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا تو ان کے جسموں کی سوجن فوراً اتر گئی۔ دوسری مرتبہ پڑھ کر پھونکا تو ان کے ناخنوں سے سفید پانی جاری ہو گیا۔ اور تیسری دفعہ اسم اعظم پڑھ کر پھونکا تو بالکل اچھے ہو گئے۔ اور حاتم کو دعائیں دینے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ ضرور احمر جادوگر اُدھر سے گذرا ہوگا اور اُس نے تالاب پر جادو کر دیا۔ یہ اسی جادو کا اثر تھا۔ حاتم نے یہ سنا تو تالاب پر بھی اسم اعظم پڑھ کر پھونک دیا۔ فوراً جادو کا اثر جاتا رہا۔ سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور نہا دھو کر تازہ دم ہو گئے۔ جادوگروں نے یہ دیکھا تو خدا پر اور خدا کے نام پر ان کا عقیدہ اور بھی پختہ ہو گیا۔ اور کہنے لگے۔

“اے خدا! ہم سب تمہارے لئے احمر اور کملاق جادوگر سے ضرور لڑیں گے۔ ہم جنگ کریں گے۔”

اب اُدھر کی سنو! شام احمر حاتم سے گھبرا کر سیدھا اپنے اُستاد کے پاس پہنچا اور رو رو کر اُسے ساری داستان سنائی۔ کملاق یہ باتیں سن کر آگ بگولا ہو گیا اور احمر کو دلاسا دیکر کہنے لگا۔

"تو بالکل مت گھبرا۔ میں دنیا کا سب سے بڑا جادوگر ہوں۔ میں حاتم کو باندھ کر ابھی تیرے حوالے کئے دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر ایک منتر پڑھا فوراً ایک شعلہ سا آگ کا بھڑکا اور اس نے چاروں طرف سے پہاڑ کو گھیر لیا۔ حاتم دو چار روز میں وہاں پہنچا تو یہ آگ بھڑکتی دیکھی۔ لوگوں سے پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ کملاق جادوگر بھی ہے اور یہ آگ جادو کی ہے۔ حاتم نے اسم اعظم پڑھ کر پھونکا تو آگ بجھ گئی۔ یہ خبر کملاق کو پہنچی تو اس نے ایک اور جادو کیا جس کے زور سے پہاڑ کے چاروں طرف ایک زبردست دریا اُبل پڑا۔ اور لہریں لیتا ہوا حاتم کی طرف بڑھا۔ حاتم کے ساتھی گھبرائے اور کہنے لگے۔

"حاتم! یہ دریا جادو کا ہے۔ اب ہم سب کے سب اس میں ڈوب جائیں گے اور کوئی زندہ باقی نہیں بچے گا۔"

حاتم نے فوراً اسم اعظم پڑھا اور وہ دریا دیکھتے دیکھتے غائب ہوگیا۔ کملاق جادوگر اب کی بار بڑے غصے میں آگیا۔ اس نے جھلا کر ایک خطرناک منتر پڑھا جس کے اثر سے دس دس پانچ پانچ من کے پتھر برسنے لگے اور اتنے پتھر برسے کہ ایک اور پہاڑ کھڑا ہوگیا۔ حاتم نے پھر اسم اعظم پڑھا۔ اس کے اثر سے اتنی تیز ہوا چلی کہ وہ سارے کے سارے پتھروں کو اڑا کر لے گئی۔ پتھروں کے ہٹتے ہی سامنے کوہ کملاق نظر آنے لگا۔ حاتم اس کی طرف بڑھنے لگا تو کملاق جادوگر نے ایک اور منتر اس پر پڑھ کر پھونکا۔ اس کے ساتھ ہی وہ پہاڑ نظروں سے غائب ہو گیا۔ حاتم کے ساتھی جادوگروں نے بتایا کہ یہ بھی جادو کا اثر ہے۔ یہ سن کر حاتم وہیں بیٹھ گیا اور اسم اعظم پڑھنا شروع کر دیا۔

اسم اعظم کی برکت سے وہی پہاڑ ایک بار پھر نمودار ہوگیا۔ اور حاتم اب اپنے ساتھیوں سمیت اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا۔ کملاق نے جب دیکھا کہ اس کی شکست ہو رہی ہے اور حاتم اپنے جادو کے زور سے اس پر بازی لے رہا ہے تو وہ اپنے ساتھیوں سمیت اپنے بنائے ہوئے آسمان پر چڑھ گیا۔ جو اس پہاڑ سے تین ہزار گز اونچا تھا۔ حاتم یہ دیکھ کر کملاق جادوگر کے شہر میں داخل ہوگیا۔ دیکھا تو بڑا پاکیزہ صاف ستھرا شہر ہے اونچی اونچی عمارتیں، چوڑی چکلی سڑکوں کے کنارے سجی سجائی دکانیں۔ یہ سب کچھ تھا لیکن آدمی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ معلوم ہوا کہ کملاق جادوگر شہر کے سارے آدمیوں کو لے کر بھاگ گیا ہے۔ اس لئے شہر بالکل خالی ہے۔ حاتم کے ساتھی سب بھوکے تھے۔ دکانوں میں جو کھانے پینے کی چیزیں دیکھیں تو ان پہ ٹوٹ پڑے۔ لیکن ان چیزوں کو کھاتے ہی سب کی ناکوں سے خون ٹپکنے لگا۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہ اثر بھی جادو کا ہے۔ فوراً اسم اعظم پڑھ کر پھونکا۔ خون بند ہوگیا۔ اور سب چیزوں پہ سے جادو کا اثر جاتا رہا۔ سب نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا اور خوش ہوئے۔

اب حاتم جادوگر کے آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور اسم اعظم پڑھ کر آسمان کی طرف پھونکنے لگا۔ دیکھتے دیکھتے وہ آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پہاڑ پہ گر پڑا۔ اور سیکڑوں جادوگر جان سے مارے گئے۔ احمر جادوگر اور کملاق جادوگر بھی نیچے گرے اور ایک طرف کو بھاگے۔ حاتم اسم اعظم پڑھتا ہوا ان کے پیچھے چلا۔ آخر وہ دونوں گھبرا کر پہاڑ سے نیچے گرے۔ اور ان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ حاتم نے وہیں خدا کی بارگاہ میں سر جھکا دیا اور سجدہ کر کے اس کا شکر بجا لایا۔ پھر وعدے کے مطابق کملاق کی ساری سلطنت سرہنگ کے سپرد کر دی اور اس سے اور اس کے ساتھیوں سے وعدہ لیا کہ وہ خدا کے سوا کسی کے آگے سر نہ جھکائیں گے۔ اور کسی بندہ خدا کو ایذا نہ پہنچائیں گے۔

سرہنگ کو بادشاہ بنا کر حاتم اس درخت کی طرف چلا۔ جہاں اس نے ملکہ زریں پوش اور اس کی سہیلیوں کے سر درخت پہ لٹکتے دیکھے تھے۔ تھوڑے دن میں وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہاں تالاب کی جگہ ایک خوبصورت ساحل بنا ہوا ہے اور اس پہ ہر طرف انہیں نازنینوں کے پہرے ہیں۔ جن کے سر درخت میں لٹکتے دیکھے تھے۔ محل کے دروازے پر پہنچ کر حاتم نے اپنے آنے کی اطلاع ملکہ کے پاس بھیجی۔ کنیز دوڑی دوڑی اندر گئی اور فوراً واپس آ کر حاتم کو ملکہ کی خدمت میں لے گئی۔ ملکہ حاتم کو دیکھتے ہی پہچان گئی۔ اُسے عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کا حال پوچھنے لگی۔ حاتم نے شروع سے آخر تک اپنی ساری کہانی سنا دی۔ ملکہ پہلے تو اپنے باپ کے مرنے کی خبر سن کر روئی۔ پھر اس خیال سے خوش ہوئی کہ ایک قید سے تو رہائی ملی۔ اور اب وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے گی شادی کر سکے گی۔ یہ بات سوچ کر حاتم کی بہت زیادہ خاطر مدارات کی اور آخر کنیزوں کے مشورے سے حاتم سے شادی کر لی۔ حاتم نے شادی کے بعد زریں پوش کو اپنے والدین کے گھر بھیج دیا اور خود حسن بانو کے چوتھے سوال کا جواب معلوم کرنے کے لئے شہر خوارزم کی طرف روانہ ہوگیا۔

روانگی شہر خوارزم کی طرف

حاتم سفر پر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے اور سفر کرتے کرتے حاتم ایک شہر میں پہنچا اور لوگوں سے پوچھا کہ صاحبو! یہاں کون ایسا شخص ہے کہ جو ہمیشہ کہا کرتا ہے کہ سچ کہنے والے کو ہمیشہ راحت ہے۔ لوگوں نے کہا۔

"اے مسافر! یہاں ایسا تو کوئی شخص نہیں جو یہ بات کہتا ہو لیکن ایک بوڑھے آدمی نے یہی بات لکھ کر اپنے مکان کے دروازے پر لگا رکھی ہے۔"

حاتم نے کہا۔ ذرا مجھے اس کا گھر دکھا دو۔ لوگوں نے حاتم کو وہاں پہنچا دیا۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک عالی شان مکان کے دروازے پر وہی بات لکھی ہے جس کا جواب معلوم کرنے کے لئے حاتم گھر سے نکلا تھا۔ حاتم دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ دروازے پر جا کر دستک دی۔ دربان باہر نکلے تو حاتم نے کہا کہ میں مسافر ہوں اور تمہارے آقا سے ضروری کام ہے۔ دربان حاتم کو اندر لے گئے۔ حاتم نے دیکھا کہ ایک خوش رُو نوجوان تکیہ لگائے مسند پر بیٹھا ہے۔ حاتم نے جا کر سلام کیا تو اس نے اٹھ کر حاتم کو گلے لگایا اور پھر بڑی محبت سے اپنے برابر بٹھالیا۔ اس کے بعد پر تکلف کھانے دسترخوان پہ چنوائے۔ کھانا ختم ہوا تو صاحب خانہ حاتم سے مخاطب ہوا۔

"اے عزیز! تم کون ہو۔ کہاں سے آئے ہو اور کس لئے یہ دور دراز کا سفر اختیار کیا ہے؟"

حاتم نے اپنے آنے کی غرض بیان کی تو کہنے لگا۔

"اے جوان! ہزار آفریں ہے تجھ پر کہ دوسروں کے لئے یہ دکھ سہتا پھرتا ہے۔ لیکن آج تو تھکا ماندہ ہے۔ رات بھر آرام کر تو صبح کو ساری حقیقت تجھ سے بیان کروں گا۔"

صبح ہوئی تو ناشتے کے بعد نوجوان نے اپنا حال اس طرح حاتم سے بیان کرنا شروع کیا۔

"اے عزیز! اس شہر خوارزم کو آباد ہوئے سات سو برس ہو چکے ہیں۔ میری عمر اس وقت آٹھ سو برس کی ہے اور شہر آباد ہونے کے وقت بھی ایسی ہی تھی۔ مجھے جُوا کھیلنے کی ایسی لت تھی کہ دن رات اپنے آپ کو اسی میں مصروف رکھتا تھا آخر نتیجہ یہ ہوا کہ میرے پاس پھوٹی کوڑی نہ رہی۔ دل میں سوچا کہ چوری کروں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سوچا کہ چوری کرنی ہے تو بادشاہ کے ہاں کیوں نہ کروں۔ یہ سوچ کر کمند بغل میں دبائی اور بادشاہ کے محل کی طرف چل پڑا۔

محل میں چوری

محل کے باہر جا کر دیکھا تو دربان اور پہرے دار سب پڑے سو رہے

تھے۔ کمند لگائی اور بادشاہ کی خواب گاہ میں پہنچ گیا بادشاہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ میں نے اس کے گلے میں پڑا ہوا گوہر شب چراغ اتار لیا اور کمند کے ذریعے نیچے آگیا اور وہاں سے جنگل کی راہ لی جاکر دیکھا۔ تو ایک درخت کے نیچے کچھ چور بیٹھے چوری کا مال تقسیم کر رہے ہیں۔ مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو تو میں نے گوہر شب چراغ دکھاکر کہا میں نے بادشاہ کے محل میں کمند لگاکر بادشاہ کے گلے سے یہ دُرِ شہوار چرایا ہے۔ اتنے میں کسی نے ہم سب کو اس زور سے للکارا کہ سب ڈر سے کانپ گئے۔ چور تو یہ مہیب آواز سن کر ڈر گئے اور وہاں سے بھاگ اٹھے۔ لیکن میں وہاں کھڑا رہا۔ دیکھا تو ایک بزرگ سامنے کھڑے ہیں۔ مجھ سے میرا حال پوچھا تو میں نے ساری روئیداد سچ سچ بیان کر دی۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگے۔

”اللہ نے تمہیں تو سو برس کی عمر دی ہے۔ لے یہ سارا مال اسباب لے جا اور آئندہ کے لئے جوئے اور چوری سے توبہ کر لے۔“

میں نے زر و جواہر لے لیا اور سب بُرے کاموں سے توبہ کر کے ایک محل عالی شان جنگل میں بنا کر رہنے لگا۔ لوگوں نے جو مجھے اس طرح سے رہتے دیکھا تو حسد سے جاکر کوتوال کے پاس شکایت کی۔ کہ پہلے یہ شخص غریب تھا۔ نہ جانے اتنا امیر کیسے ہو گیا۔ کوتوال نے مجھے بلایا اور مجھ سے میرا حال پوچھا۔ تو میں نے سب کچھ سچ سچ بیان کر دیا۔ کوتوال میرا حال سن کر مجھے بادشاہ کے پاس لے گیا تو میں نے بادشاہ سے بھی ساری بات سچ سچ کہہ دی۔ بادشاہ میری صاف گوئی اور سچ سے بہت خوش ہوا اور بولا۔

”تم نے سچ بولا ہے۔ میں تم سے بہت خوش ہوں۔ یہ ساری دولت جو تمہیں بزرگ نے دی ہے۔ اب تمہارا حق ہے۔ تم آزادی اور بے فکری سے جا کر اپنے محل میں زندگی بسر کرو۔“

بادشاہ نے مجھے بہت سا انعام و اکرام دے کر رخصت کیا۔ اس دن سے میں نے جانا کہ سچ بولنا بڑی اچھی چیز ہے اور اسی لئے یہ کلام لکھ کر اپنے دروازے پر لگا دیا۔

حاتم نے اس جوان مرد سے اس کا یہ حال سُنا تو اُس کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور اس سے رخصت ہو کر شاہ آباد کی طرف چلا۔ اور دنوں کی راہ گھنٹوں میں طے کرتا چند ہی دن میں وہاں جا پہنچا۔ شہر میں پہنچتے ہی حسن بانو کی حویلی کا رُخ کیا۔ حسن بانو کو حاتم کے آنے کی اطلاع ہوئی تو پردہ کر کے اندر بلوایا۔ حاتم نے سفر کا سارا حال اول سے آخر تک سنایا تو حسن بانو نے کہا۔ کہ اے حاتم تو نے جو کچھ کہا بالکل سچ ہے۔ حاتم حُسن بانو سے رخصت ہو کر سرائے میں گیا۔ منیر شامی اُسے دیکھتے ہی خوشی سے بغل گیر ہوا۔ سفر کا حال پوچھا۔ پھر دونوں نے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اگلے روز صبح حاتم پھر حُسن بانو کے پاس گیا۔ اور پوچھا کہ اب بتایئے آپ کا پانچواں سوال کیا ہے؟

حُسن بانو بولی۔

”حاتم! ایک پہاڑ کا نام کوہ ندا ہے۔ وہاں سے ایک آواز آتی ہے۔ اسی لئے اس کا یہ نام رکھا ہے۔ مجھے اس پہاڑ کا اس کے پیچھے سے آنے والی آواز کا بھید معلوم ہو تو بڑی خوشی ہوگی۔“

حاتم اجازت لے کر چل پڑا۔

حاتم کا کوہ ندا کی خبر لانا

منیر شامی سے رخصت ہو کر حاتم نے جنگل کی راہ لی۔ اس کے بعد جس بستی سے گزرتا۔ لوگوں سے پوچھتا کہ اے عزیزو! کوہ ندا کدھر ہے؟ حاتم سے جو کوئی کوہِ ندا کا نام سُنتا۔ حیرت سے اس کا منہ تکتا۔ اور کہتا۔ کہ بھائی ہم نے ساری عمر کبھی یہ نام نہیں سُنا۔ لیکن ان جوابوں سے ہرگز مایوس نہ ہوتا بالکل آگے بڑھتا رہتا۔ آخر چلتے چلتے ایک شہر کے باہر پہنچا۔ دیکھا کہ شہر کے سب لوگ میدان میں جمع ہیں۔ حاتم کو دیکھتے ہی کچھ لوگ اس کی طرف لپکے۔ اور کہنے لگے اے مسافر! مرحبا! ہم ایک ہفتے سے تیرے منتظر ہیں۔ حاتم ان کے ساتھ مجمع کے قریب گیا۔ تو دیکھا۔ کہ دسترخوان بچھا ہے۔ اور اس پر طرح طرح کے کھانے چُنے ہوئے ہیں۔ پاس ہی ایک جنازہ رکھا ہے۔ حاتم نے یہ منظر دیکھا۔ تو حیران ہو کر پوچھنے لگا۔ اے لوگو! ذرہ بتاؤ تو ماجرا کیا ہے؟ اور تم اس مردے کو گاڑتے کیوں نہیں؟ انہوں نے کہا۔ اے مسافر! ہمارے شہر کی رسم ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے۔ تو اس کے جنازے کو اسی طرح جنگل میں لاکر رکھ دیتے ہیں اور اچھے اچھے کھانے پکا کر دسترخوان پر چُن دیتے ہیں اور کسی مسافر کی راہ دیکھتے ہیں۔ مسافر آگیا۔ تو مردے کو گاڑ دیتے ہیں۔ اور مسافر کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے ہیں۔ چنانچہ یہ مُردہ سات دن سے یہاں رکھا ہے۔ ہم روز دسترخوان سجاتے ہیں۔ اور مسافر کا انتظار کرتے ہیں۔ الحمدللہ۔ کہ خدا نے ایک ہفتہ کے بعد تمہیں یہاں بھیجا۔ حاتم نے یہ بات سُنی۔ تو حیرت سے ان کا منہ تکنے لگا۔ لیکن لوگ اپنے کام میں معروف ہوئے۔ مُردے کو تہ خانے میں اتارا۔ اور سب کے سب دسترخوان کے گرد آبیٹھے۔ پہلے حاتم کو کھلایا پھر سب نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ اس کے بعد سب نے نہا دھو کر اُجلے کپڑے پہنے۔ اور اپنے اپنے گھروں کو سدھارے۔ کئی دن تک حاتم کو زبردستی مہمان رکھا۔ آخر حاتم نے کہا۔ اے دوستو! میں نے تمہاری مہمان نوازی کا لطف خوب سا اٹھایا۔ لیکن اب اگر میں اس سے زیادہ ٹھہروں۔ تو مروّت اور انسانیت کے خلاف ہے۔ ان لوگوں کے سردار نے کہا۔ کہ اے عزیز! ہمیں بھی بتا۔ کہ تیرا کیا کام ہے۔ شاید ہم تیری کچھ مدد کر سکیں۔ حاتم نے حسن بانو اور منیر شامی کی محبت اور حسن بانو کے سوالوں کا سارا قصہ سنا کر کہا کہ اب میں کوہ ندا کی تلاش میں نکلا ہوں۔ مجمع میں سے ایک بزرگ نے کہا اے نوجوان! میں نے بزرگوں سے سُنا ہے۔ کہ دکن کی طرف ایک طلسمات ہے۔ اس کے بائیں طرف ایک عالی شان شہر آباد ہے وہاں کسی نے نہ مُردہ دیکھا ہے۔ نہ قبر! حاتم نے کہا۔ بس میں اسی سمت جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہاں سے رخصت ہوا۔ اور ایک مدت کے بعد ایک شہر کے قریب پہنچا۔ اور دیکھا کہ اس کے آس پاس کوئی قبر نہیں۔ سمجھ گیا کہ یہ وہی شہر ہے۔ جس کا ذکر پیر مرد نے کیا تھا۔

غرض شہر کے اندر داخل ہوا۔ لوگ بڑی تواضع سے پیش آئے۔ اور ایک آدمی اُسے اپنے گھر لے گیا۔ کہ آج کی رات تم میرے مہمان ہو۔ حاتم اس کے گھر گیا۔ اس نے اس کے لئے بستر بچھا دیا۔ اور ہر طرح کی خاطرداری میں مصروف ہوا۔ رات ہوئی۔ تو دسترخوان بچھا کر سالن اور گرم گرم روٹیاں سامنے لاکر رکھیں اور کہنے لگا۔ اے مسافر! جو نعمت آج تیرے لئے لایا ہوں۔ تو نے کبھی نہ کھائی ہوگی۔ حاتم بولا۔ اے عزیز۔ میری ساری عمر سیر و سفر میں کٹی ہے۔ اور جانوروں اور چڑیوں میں سے شاید ہی ایسا کوئی گوشت ہو جو میں نے نہ کھایا ہو۔ تو آخر ایسی کون سی نعمت لایا ہے۔ جو دنیا میں انوکھی ہے۔ وہ کہنے لگا۔ اے عزیز! تمہارا کہنا درست ہے۔ لیکن یہ گوشت آدمی کا ہے۔ حاتم نے یہ سُنتے ہی کھانے سے ہاتھ روک لیا اور بگڑ کر کہا۔ تم نے شاید کسی مسافر کو مارا ہے۔ اور اس کا گوشت مجھے کھلا رہے ہو۔ وہ شخص کہنے لگا۔ اے مسافر! اللہ اللہ کر۔ کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ مسافروں کو مار کر ان کا گوشت یوں کھایا جائے۔ حاتم نے کہا کہ اگر ایسا نہیں ہے۔ تو پھر کیا راز ہے؟ وہ بولا ہماری بستی کا دستور ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے۔ تو مرنے سے پہلے اسے ذبح کر کے اس کا گوشت آپس میں بانٹ لیتے ہیں اسی لئے ہمارے شہر میں کوئی اپنی موت نہیں مرتا۔ اور نہ قبر بنتی ہے حاتم غصّے سے بولا۔ لعنت ہو۔ تمہاری اس رسم پر۔ اور تمہارے اس شہر پر۔ خدا اچھوں کو بیمار اور بیماروں کو اچھا کرتا ہے۔ اور تم خدا کے کاموں میں دخل دے کر بے گناہوں کا خون اپنے سر پہ لیتے ہو۔ یہ کہا اور بغیر کھائے پیئے اس شہر سے

نکل آیا۔ رات جنگل میں کاٹی۔ صبح کو ہرن کا شکار کر کے اس کے کباب بنا کر کھائے۔ اور اللہ کا شکر ادا کر کے آگے بڑھا۔ کئی دن کے بعد ایک بستی کے پاس پہنچا۔ میدان میں دیکھا کہ بہت سے لوگ آگ جلائے۔ اس کے گرد کھڑے ہیں۔ حاتم نے پوچھا۔ لوگو! یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ کہنے لگے۔ اے مسافر! تو مسافر ہے۔ تجھے اس سے کیا کام کہ ہم یہاں کیوں جمع ہیں۔ اور کیا کرتے ہیں۔ حاتم نے کہا۔ دوستو! اس میں خفا ہونے کی کوئی بات نہیں۔ میں نے تو ہمدردی کے خیال سے ایک بات پوچھی تھی۔ تم نہیں بتانا چاہتے۔ تو تمہاری خوشی —— وہ حاتم کی یہ بات سن کر شرمندہ ہوئے۔ اور کہنے لگے ہماری قوم کا ایک شخص مر گیا ہے۔ اس آگ میں اُسے اور اس کی بیوی کو جلائیں گے۔ حاتم بولا۔ یہ رسم تو عجیب ہے۔ مردوں کے ساتھ زندوں کو یوں ہی جلا دو۔ وہ کہنے لگے اے مسافر! ہماری یہ رسم آج کی نہیں۔ مدتوں کی ہے۔ تو شاید اس دیس میں پہلی بار آیا ہے۔ جو ایسی باتیں کرتا ہے۔ مرد کے ساتھ عورت کو ہم زبردستی نہیں جلاتے۔ وہ اپنی خوشی سے اس آگ میں جلتی ہے۔ تمہیں یقین نہیں۔ تو خود تماشہ دیکھ لو۔ حاتم کھڑا ہو کر تماشہ دیکھنے لگا۔ اتنے میں لوگ ایک مُردے کو لائے۔ اس کے آگے آگے ایک جوان عورت تھی۔ دلہنوں کا سا سرخ لباس پہن رکھا تھا۔ جسم پر سب طرح کے گہنے تھے۔ اور خود سولہ سنگار سے درست تھی۔ ہاتھ میں تازہ پھولوں کا گجرا لئے ہنسی خوشی آگ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ آگ قریب آئی۔ تو لوگوں نے لاش کو اس کے اندر رکھ دیا۔ اور عورت مسکراتی ہوئی اس آگ میں کود پڑی۔ حاتم عش عش کرتا رہ گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ دونوں جل کر راکھ ہو گئے۔ بستی والے بستی کی طرف چلے گئے۔ اور حاتم نے اپنی راہ لی۔

گاؤں گاؤں اور شہر شہر ہوتا ہوا حاتم آخر ایک شہر میں پہنچا۔ ایک جگہ دیکھا کہ بہت سے لوگ جمع ہیں۔ اور شور و غل کر رہے ہیں۔ حاتم نے شور و غل کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے کہا۔ اے مسافر! اس شہر کے رئیس کی بیٹی مر گئی ہے۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ اس کے شوہر کو بھی اس کے ساتھ دفن کریں۔ لیکن وہ کسی طرح تیار نہیں ہوتا۔ حاتم نے کہا۔ اگر تیار نہیں ہوتا۔ تو ٹھیک ہے۔ خدا کے لئے تم خود سوچو۔ کہ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ تم مُردوں کے ساتھ زندہ کو زبردستی دفن کر کے انہیں موت سے پہلے مارتے ہو۔ وہ بولے۔ کہ ہم کیا کریں؟ اس شہر کی ریت یہی ہے۔ حاتم نے کہا۔ کہ اچھا۔ تو مجھے اپنے رئیس کے پاس لے چلو۔ لوگ اسے رئیس کے پاس لے گئے۔ حاتم نے رئیس سے بھی وہی باتیں کیں۔ جو دوسروں سے کی تھیں۔ رئیس نے نرمی سے کہا۔ اے عزیز! ذرہ بیٹھ جا۔ میں تجھے ساری بات سمجھا دوں۔ حاتم بیٹھ گیا۔ تو رئیس بولا۔ اے عزیز۔ یہ جوان جسے آج ہم دفن کرنا چاہتے ہیں۔ میری بیٹی کا شوہر ہے۔

یہ بھی تیری طرح پردیسی ہے۔ کچھ دن ہوئے ہمارے شہر میں آیا۔ اور میری بیٹی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اُسے اپنے شہر کی ریت بتا کر کہا۔ کہ اگر تو اس شرط پر راضی ہو۔ تو میں شادی کر دوں۔ وہ راضی ہوا۔ تو میں نے شادی کر دی۔ اور اب وعدہ پورا کرنے کا وقت آیا۔ تو اپنی بات سے پھر گیا۔ اب تو ہی انصاف کر۔ حاتم نے جوان سے کہا کہ تجھے یہ رسم پوری نہیں کرنی تھی۔ تو تُو نے وعدہ کیوں کیا تھا؟ وہ بولا کہ اس وقت ایک بات کہہ دی تھی۔ لیکن اب میں مُفت میں یوں ہی مرنا نہیں چاہتا۔ حاتم نے اس سے کہا۔ کہ اے جوان! اگر تو ہنسی خوشی دفن نہ ہو گا۔ تو یہ لوگ تجھے زبردستی دفن کر دیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے۔ کہ تو ان کی بات مان لے۔ میں رات کو تجھے قبر سے نکال لوں گا۔ یہ بات سن کر جوان راضی ہو گیا۔ لوگوں نے اُسے اس کی بیوی کے ساتھ قبر میں دفن کر دیا۔ رات ہوئی۔ تو حاتم نے اُسے قبر سے باہر نکالا۔ اور قبر اسی طرح بند کر دی۔

اگلے دن صبح حاتم کوہ ندا کی خبر کو چلا۔ تو شہر کے رئیس نے اس سے کہا۔ کہ کوہ ندا یہاں سے بہت دور نہیں۔ یہاں سے سیدھا راستہ ہے۔ لیکن آگے چل کر راستے کے دو حصے ہو جاتے ہیں۔ داہنی طرف کا راستہ اچھا ہے۔ بائیں طرف بہت سے خطرے ہیں۔ اس لئے بائیں طرف ہرگز مت جائیو۔ حاتم نے رئیس کا شکریہ ادا کیا۔ اور اس کے بتلائے ہوئے راستہ پر چل کھڑا ہوا۔ حاتم دس دن تک منزل بہ منزل طے کر کے گیارھویں دن رئیس کے بتائے ہوئے دوراہے پر پہنچا۔ لیکن اس کی نصیحت کو بھول کر داہنی طرف کی جگہ بائیں طرف کے راستہ پر ہو لیا۔ دو دن تک اسی راہ پر چلتا رہا۔ آخر کیا دیکھتا ہے۔ کہ جنگل کے سارے جانور کیا ہاتھی کیا شیر بے تحاشا بھاگے چلے آتے ہیں۔ حاتم نے سوچا کہ ضرور ان کا پیچھا کسی ایسے جانور نے کیا ہے۔ جن کی ہیبت ان کے دلوں پر سوار ہے۔ ذرا پیڑ پر چڑھ کر ان کا تماشہ دیکھوں۔ یہ سوچ کر درخت پر جا بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ آگے آگے سارے جانور ہیں۔ اور ان کے پیچھے ایک بھیانک صورت کا چھوٹا سا جانور ہے جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے ہیں۔ حاتم بھی اُسے دیکھ کر ڈر گیا۔ اور اپنا خنجر کمر سے نکال کر بیٹھ گیا۔ اتفاق سے وہ جانور اسی درخت کے نیچے آن کر رُکا۔ اور آدمی کی بُو پا کر اوپر کی طرف اچھلا۔ حاتم نے ایسا خنجر مارا۔ کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ کر گر پڑے۔ وہ سنبھل کر پھر حاتم پر جھپٹا۔ حاتم نے ایسا تاک کر خنجر مارا۔ کہ ساری آنتیں نکل پڑیں۔ وہ خود بھی زمین پر گر پڑا۔ اُس کے خون کی چھینٹیں اِدھر اُدھر اُڑنے لگیں۔ جہاں خون کی بوند گرتی۔ آگ لگ جاتی۔ حاتم بہت دیر درخت پر بیٹھا رہا۔ جب آگ بجھ گئی۔ تو نیچے اُترا۔ دیکھا۔ تو جانور تڑپ تڑپ کر مر چکا تھا۔ حاتم اس کے قریب آیا۔ اور اس جانور کے دانت، دم اور کان کاٹ کر اپنے تھیلے میں رکھ لئے۔ اور آگے چلا۔ کئی دن کے بعد ایک قلعہ نظر آیا۔ کہ اس کے کنگرے آسمان سے باتیں کرتے تھے۔ لیکن پاس جا کر دیکھا۔ تو آدمی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اندر گیا۔ تو دیکھا۔ تو ہر طرف آئینہ کی طرح چمکتی ہوئی دکانیں اور صاف ستھرے مکان ہیں۔ کہ ہر طرح کا سامان ان میں موجود ہے۔ مگر آدمی کی جگہ بھنگے کا نشان بھی نہیں۔ سخت حیران ہوا۔ سمجھا کہ اس شہر کے رہنے والے کسی دیو کے ڈر سے بھاگ گئے ہیں۔ یہ سوچتا ہوا شاہی قلعہ تک پہنچا۔ دیکھا کہ اس میں بادشاہ اور اس کے رشتہ دار رہتے ہیں۔ کچھ نوکر چاکر بھی موجود ہیں۔ وہ حاتم کو دیکھ کر حیرت میں تھے۔ کہ آج کوئی مسافر بھولا بھٹکا یہاں آ گیا ہے۔ وہ یہ باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ بادشاہ نے بھی اوپر کی ایک کھڑکی سے جھانک کر پوچھا اے نوجوان! تو کون ہے! کہاں سے آیا ہے۔ اور کہاں جائیگا۔ حاتم نے عرض کی۔ میں شاہ آباد سے آیا ہوں۔ اور کوہ ندا جانے کا ارادہ ہے۔ بادشاہ نے نے کہا۔ اے عزیز! تو راستہ بھول گیا ہے اور شاید موت تجھے یہاں لے آئی ہے۔ حاتم بولا اگر خدا کی مرضی یہی ہے کہ میں یہاں مروں۔ تو اس پر راضی ہوں۔ لیکن تو تو اپنا حال کہہ۔ کہ کیوں محل میں بند ہو کر بیٹھا ہے۔ اور کیوں تیرے شہر میں خاک اڑ رہی ہے۔ وہ بولا اے مسافر! میں اس شہر کا بادشاہ ہوں۔ یہاں ایک بلا آتی ہے۔ جس کے آگے شیر اور مست ہاتھی کی بھی کچھ نہیں چلتی۔ اس نے ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کیا ہے۔ اور اسی کے ڈر سے میری ساری رعیت شہر چھوڑ کر بھاگ گئی ہے۔ حاتم سمجھ گیا۔ کہ اسی بلا کا ذکر ہے۔ جسے اس نے ابھی جنگل میں مارا ہے۔ بادشاہ سے کہنے لگا۔ اے بادشاہ تجھے مبارک ہو۔ اللہ نے تجھے اس بلا سے نجات دلائی۔ یہ کہہ کر اس بلا کے مارے جانے کا سارا قصہ اوّل سے آخر تک بادشاہ کو سنایا۔ اور اس کے کان، دانت اور دُم تھیلے میں سے نکال کر دکھائے۔ بادشاہ فوراً نیچے اُتر آیا۔ آتے ہی حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے گلے لگا لیا۔ اور بادشاہ حاتم کو محل کے اندر لے گیا۔ دستر خوان بچھوا کر اس پر انواع و اقسام کے کھانے چنوائے۔ اور سب گھر والوں نے خوب سیر ہو کر کھائے۔ پھر فوراً ہی ہر طرف ہر کارے دوڑا دیئے۔

کہ لوگوں کو اس بلا کے مرنے کی خبریں پہنچائیں۔ حاتم کچھ دن اس شہر میں رہا۔ اس کے دیکھتے دیکھتے شہر آباد ہونے لگا۔

آخر حاتم اس بادشاہ سے رُخصت ہوکر کوہ ندا کی طرف چلا۔ چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا۔ تو لوگوں نے حاتم کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اور اُسے شہر کے رئیس کے پاس لے گئے۔ رئیس نے کہا۔ کہ اے مسافر! تیرا یہاں آنا مبارک ہو۔ اس لئے کہ اس شہر میں یا تو سکندر بادشاہ آیا تھا۔ اور یا اب تو آیا ہے۔ لیکن یہ بتا کہ یہاں تیرا گذر کیسے ہوا؟ حاتم نے اپنی ساری داستان رئیس کو سنائی۔ اور کہنے لگا۔ کہ اگر آپ کو کوہ ندا کا کچھ حال معلوم ہو۔ تو بتائیے۔ رئیس نے کہا۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں۔ جس کا حال کوئی کسی کو بتا سکے۔ تم خود تھوڑے دن یہاں رہو۔ کچھ نہ کچھ خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر حاتم کو ایک مکان رہنے کو دے دیا۔ حاتم آرام سے وہاں رہنے لگا۔

حاتم ایک دن وہاں بیٹھا لوگوں سے باتیں کر رہا تھا۔ کہ شہر کے قریب والے پہاڑ سے ایک آواز آنی شروع ہوئی۔

یا اخی! یا اخی! اس آواز کے سُنتے ہی مجلس میں سے ایک نوجوان اٹھا۔ اور بے اختیار اس آواز کی طرف دوڑا۔ نہ کسی سے بولا۔ نہ کسی سے چالا۔ بس دیوانوں کی طرح پہاڑ کیطرف بھاگنے لگا۔ حاتم بھی اس کے پیچھے ہولیا۔ اور اُس سے پوچھنے لگا۔ اے عزیز! سچ بتا! کہ تجھے کس نے بُلایا ہے؟ اور تو کہاں جاتا ہے؟ وہ کچھ نہ بولا۔ اُسی طرف پہاڑ پر نظریں جمائے اُدھر کو بھاگتا رہا۔ حاتم بھی اُس کے پیچھے پیچھے دوڑا۔ لیکن تھوڑی دیر میں وہ آدمی اور پہاڑ دونوں اس کی نظر سے اوجھل ہوگئے۔ حاتم ہاتھ ملتا ہوا واپس آگیا۔ آکر دیکھا۔ کہ کسی کو اس کے چلے جانے کا غم نہیں۔ بلکہ سب خوش ہیں۔ حاتم اُس جوان کو یاد کرکے رونے لگا۔ تو کسی نے کہا۔ اے عزیز! یہاں کوئی کسی کے لئے روتا نہیں اگر تو چاہتا ہے۔ کہ کچھ دن اور ہمارا مہمان رہے۔ تو کوئی بات ہمارے رواج کے خلاف نہ کر۔ حاتم بے چارہ آنسو پونچھ کر چپکا ہو رہا۔ لیکن سوچتا تھا۔ کہ حسن بانو کو جاکر کوہ ندا کا کیا حال بتاؤں گا۔ اسی حالت میں چھ مہینے تک حاتم اس بستی میں رہا۔ اور پندرہ آدمی پہاڑ کی آواز سن کر اس طرف کو دوڑے گئے۔ اور اُن میں سے کوئی آدمی لوٹ کر نہ آیا۔ چھ مہینے تک یہاں رہتے رہتے حاتم کی دوستی حاتم نامی ایک اور شخص سے ہوگئی اور وہ دونوں ایک دوسرے سے اتنی محبت کرنے لگے کہ ایک کو دوسرے کی منٹ بھر کی جدائی بھی گوارہ نہ تھی۔ دونوں ایک ساتھ ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ ایک دن دونوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ کہ پہاڑ کیطرف سے وہی آواز پھر آئی۔ آواز سنتے ہی دوسرا حاتم پہاڑ کی طرف دوڑا۔ حاتم نے سوچا۔ کہ یہ شخص چھ مہینے تک میرے رنج و راحت کا شریک رہا ہے۔ یہ بات مروّت کے خلاف ہے۔ کہ اس کو اکیلا جانے دوں۔ یہ سوچ کر اس کے ساتھ پہاڑ کی طرف چل پڑا۔ راستہ میں اُس سے طرح طرح کے سوال کئے۔ لیکن وہ منہ سے کچھ نہ بولا۔ اُسی طرح تیزی سے پہاڑ کیطرف بھاگتا رہا۔ حاتم نے زور سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لیکن اُس نے زبردستی چھڑا لیا۔ اور حاتم زمین پر گر پڑا۔ لیکن فوراً ہی سنبھل کر اُٹھا۔ اتنے میں پہاڑ قریب آگیا۔ اور دوسرے حاتم نے تیزی سے اُوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ حاتم نے اُچھل کر اس کی کمر زور سے پکڑ لی۔ اور دونوں گرتے پڑتے پہاڑ کے اوپر پہنچ گئے۔ اوپر پہنچتے ہی ایک قلعہ نظر آیا۔ وہ دونوں اُسی طرح لپٹے لپٹائے اس کی کھڑکی میں جا پڑے۔ وہاں جاکر دیکھا۔ تو نہ قلعہ تھا۔ نہ پہاڑ۔ بس ایک وسیع میدان تھا۔ جس میں ہر طرف سوائے سبزے کے اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ بس تھوڑی سی جگہ ایسی تھی۔ جہاں سبزہ نہیں تھا۔ نوجوان نے اس خالی جگہ پر پاؤں رکھا۔ اور چت گر پڑا۔ حاتم نے چاہا۔ کہ اُسے سہارا دے کر اُٹھا لے۔ لیکن اس کے دیکھتے دیکھتے جوان کی آنکھیں پتھرا گئیں۔ زمین پھٹی۔ اور وہ اس کے اندر سما گیا۔ زمین پھر ویسی کی ویسی ہوگئی۔ بلکہ اب خالی زمین پر بھی ویسا ہی سبزہ آگیا۔ جیسا پورے میدان میں تھا۔

حاتم حیران ہوکر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ کہ اب کیا کرے؟ کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تو اللہ کا نام لے کر آگے چل کھڑا۔ تھوڑی دُور چلا تھا۔ کہ ایک دریا نظر آیا۔ جو بڑے زور شور سے بہہ رہا تھا۔ اور اس کے اور چھور کا کہیں پتا نہ تھا۔ دریا کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ آخر اس دریا کو پار کیسے کرے گا؟ اتنے میں ایک کشتی بہتی بہتی آئی اور حاتم کے قریب کنارے پر آن کر رُک گئی۔ حاتم نے دیکھا۔ کہ کشتی میں کوئی آدمی نہیں۔ پھر بھی اللہ کا نام لے کر اس میں جا بیٹھا۔ وہ کشتی خود بخود چلنے لگی۔ حاتم نے دیکھا۔ کہ کشتی کے کونے میں ایک دسترخوان لپٹا رکھا ہے۔ کھول کر دیکھا۔ تو اس میں گرم گرم نان اور مچھلی کے کباب لپٹے رکھے تھے۔ سمجھا۔ کہ یہ نعمت خدا نے غیب سے میرے لئے بھیجی ہے۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ پانی پیا۔ اور سجدۂ شکر بجالایا۔ اتنے میں بڑے زور کی آندھی چلی۔ اور تین دن تک اُسی طرح چلتی رہی۔ آخر آندھی رُکی۔ تو حاتم نے دیکھا۔ کہ کشتی کنارے سے لگی کھڑی ہے۔ حاتم خدا کا نام لے کر کشتی سے اُتر پڑا۔ اور راستہ کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا رہا۔ سات دن تک اسی طرح سرگرداں رہا۔ لیکن راستہ نہ ملا۔ بھوکا پیاسا یُوں ہی چلا جاتا تھا۔ کہ ایک پہاڑ نظر آیا۔ اسی کی طرف چلنا شروع کیا۔ تین دن چلتا رہا۔ جب جاکر پہاڑ کے نیچے پہنچا۔ سوچا کہ اوپر چلوں۔ ۱۲ دن تک چلتا رہا۔ تیرھویں دن ایک وسیع میدان میں پہنچا۔ دیکھا کہ یہاں کی زمین بالکل سُرخ ہے۔ اور جتنے جانور کیا چرند اور کیا پرند۔ وہاں نظر آئے۔ سب کا رنگ لال تھا۔ حاتم اس میدان میں کوئی چھ کوس چلا ہو گا۔ کہ ایک دریا ملا۔ اس کا پانی خون کی طرح سُرخ تھا۔ اور اس میں جتنے جانور تھے۔ وہ سب کے سب ایسے دکھائی دیتے تھے۔ جیسے خون کے بنے ہوئے ہیں۔ حاتم بہت گھبرایا۔ لیکن دریا کے کنارے کنارے چلتا رہا۔ بھوک لگتی تو کسی جانور کا شکار کر کے بھون کے کھا لیتا اور تھوڑا منہ میں ڈال کر پیاس بجھاتا۔ ایک مہینہ یوں ہی گزر گیا۔ لیکن زمین نظر نہ آئی۔ بس ہر طرف وہی خون کا دریا تھا۔ حاتم اپنے دل میں کہہ رہا تھا۔ کہ شاید یہیں میری موت لکھی ہے کہ اتنے میں دریا کے اندر سے کوئی چیز اُبھرتی نظر آئی۔ کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ آخر وہ چیز سطح پر آگئی۔ دیکھا تو اسی طرح کی ایک کشتی ہے۔ جیسی اس سے پہلے دریا میں ملی تھی۔ خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اس میں سوار ہوگیا۔ بیٹھتے ہی دسترخوان پر نظر پڑی۔ کھول کر دیکھا۔ تو روٹیاں اور کباب ہیں۔ خُوب سیر ہو کر کھائے۔ اور خدا کا شکر بجالایا۔ اتنے میں وہ کشتی منجدھار میں جا پہنچی۔ اور دریا میں اونچی اونچی لہریں اُٹھنے لگیں۔ حاتم نے ڈر کر آنکھیں بند کر لیں۔ سات دن دریا میں ہی موجوں کے تھپیڑے کھاتی رہی۔ آخر آٹھویں دن کشتی کنارے لگی۔ حاتم اتر پڑا۔ اور سجدہ میں گر پڑا۔ اِس کے بعد پھر چلنا شروع کیا۔ سات دن تک برابر چلتا رہا۔ آٹھویں دن ایک ایسے دریا کے کنارے پہنچا۔ جس کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ حاتم کا پیاس سے بُرا حال تھا۔ پانی پینے کے ارادے سے کنارے پر بیٹھ گیا۔ بایاں ہاتھ پانی میں ڈالا۔ تو وہ سارے کا سارا چاندی کا ہوگیا۔ حاتم بہت گھبرایا۔ کہ اب کیا کرے کیا نہ کرے۔ اتنے میں ایک کشتی کنارے آن کر لگی۔ حاتم جھجک کر اُس میں بیٹھ گیا۔ سامنے ہی ایک طباق میں گرما گرم حلوہ رکھا تھا۔ خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور آرام سے پڑ کر سو رہا۔ کئی دن کے بعد وہ کشتی کنارے پر پہنچی۔ کشتی میں سے اُترا۔ تو سامنے ہی ایک پہاڑ دکھائی دیا۔ اس کی طرف چلنا شروع کیا۔ لیکن چلتے چلتے مہینہ بھر بعد اس کے نیچے پہنچا۔ دیکھا تو ہر طرف الماس۔ زمرد اور لعل بکھرے پڑے ہیں۔ کچھ جواہر اٹھا کر جیب میں رکھ لئے۔ آگے بڑھا تو اس سے بھی بڑے بڑے پتھر ملے۔ پہلے پتھروں کو پھینک کر یہ پتھر جیب میں بھر لئے۔ لیکن ان کا وزن

اتنا زیادہ تھا۔ کہ تھوڑی دُور چل کر زیادہ بڑے بڑے کچھ لعل اور زمرد پاس رکھ کر باقی وہیں ڈال دیئے اور آگے چلا۔ تھوڑی دور جا کر ایک چشمہ آیا۔ بیٹھ کر ہاتھ منہ دھویا۔ خدا کی قدرت سے چاندی والا ہاتھ ٹھیک ہوگیا۔ بس ناخن چاندی کے رہ گئے۔ حاتم اطمینان سے وہیں پڑ کر سو رہا۔ صبح ہوئی تو دریا میں سے دو شخص نکلے۔ جن کا سر تو آدمی کا سا تھا۔ پاؤں ہاتھی کے۔ اور ناخن شیر کے۔ حاتم انہیں دیکھ کر ڈر گیا۔ لیکن وہ کہنے لگے۔ اے حاتم! تو ہم سے کسی طرح کا ڈر اپنے دل میں نہ لا۔ ہم بھی تیری طرح خدا کے بندے ہیں۔ اور تیری بھلائی کے لئے تیرے پاس آئے ہیں۔ یہ کہتے کہتے وہ حاتم کے پاس آگئے۔ اور کہنے لگے۔ اے حاتم! تجھ جیسے آدمی کو یہ بات ہرگز زیب نہیں دیتی۔ کہ لالچ میں آن کر تو نے لعل و جواہر اپنی جیب میں بھر لئے ہیں۔ حاتم نے کہا۔ اے اللہ کے بندو! زمین تو ساری کی ساری اللہ کی ہے۔ اس پر جو کچھ ہے۔ وہ اس کے بندوں کے لئے ہے۔ اگر میں نے تھوڑے سے پتھر لے لئے۔ تو کون سا گناہ کیا؟ وہ بولے۔ اے حاتم! تیرا کہنا سچ ہے۔ لیکن یہ لعل و جواہر خدا نے پریوں کے لئے یہاں پیدا کئے ہیں۔ اگر تو چاہتا ہے۔ تو لوگوں کو دکھانے کے لئے دو چار اپنے پاس رکھ لے۔ تو ہم تجھے دے دیتے ہیں یہ کہہ کر چند جواہر جو وزن میں پہلے جواہر سے بھی وزنی تھے۔ اُسے دیئے اور کہا۔ کہ جو جواہر تیری جیب میں ہیں۔ وہ نکال کر پھینک دے۔ نہیں تو جیتا اپنے گھر نہیں پہنچے گا۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ اور اُن سے اپنے ملک کا راستہ پوچھنے لگا۔ ان دونوں نے کہا۔ اے حاتم اللہ تیرے ساتھ ہے۔ جو اس ملک میں زندہ رہا۔ ورنہ یہاں سے آج تک کوئی جیتا لوٹ کر نہیں گیا۔ لیکن ایک بات کا دھیان رکھیو۔ راستہ میں کسی چیز کو دیکھ کر لالچ میں نہ پڑیو۔ نہیں تو پچھتائے گا۔ اور جان سے ہاتھ دھوئے گا۔

حاتم نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا۔ اور آگے کی طرف چل پڑا۔ تھوڑی ہی دُور گیا تھا۔ کہ ایک دریا ملا۔ جس کا پانی سونے کا تھا۔ صحیح سلامت اس سے پار اُتر گیا۔ چند روز بعد ایک اور دریا ملا۔ جس کے کنارے اتنے بڑے بڑے موتی پڑے تھے۔ جیسے مرغی کا انڈا۔ حاتم دیکھ کر حیران رہ گیا۔ لیکن دونوں آدمیوں کی نصیحت یاد کر کے موتیوں کو ہاتھ نہ لگایا۔ اور کنارے بیٹھ کر اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھنے لگا۔ پیاس لگی تو دریا کا پانی پیا۔ بالکل دودھ کا مزہ تھا۔ اور اُس میں شہد کی مٹھاس تھی خوب سیر ہو کر پیا۔ اور اٹھ کر آگے کو چلا۔ دُور سے ایک تیز روشنی نظر آئی۔ جیسے سُورج جگمگ جگمگ کر رہا ہو۔ پاس جا کر دیکھا۔ تو سونے کا پہاڑ تھا۔ اُس کا ذرہ ذرہ سونے کا تھا۔ اور اونچا اتنا کہ آسمان سے باتیں کرتا تھا۔ تین دن تک اس پر چڑھتا چلا گیا۔ اوپر پہنچا تو ایک میدان وسیع نظر آیا۔ جس کی زمین ساری کی ساری سنہری تھی۔ اس کے بیچ میں ایک خوبصورت محل کھڑا تھا۔ جس کی دیواریں سونے کی تھیں۔ حاتم نے محل کا دروازہ کھلا دیکھا۔ تو اندر چلا گیا۔ داخل ہوتے ہی ایک باغ میں پہنچا۔ جس میں ہر طرح کے پھل پھول درختوں پر لدے پڑے تھے۔ اور ہزاروں درخت سونے کے تھے۔ جن کی سنہری جڑ اور پتے روشنی میں دمک رہے تھے۔ خدا کی صنعت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ پھل توڑ کر خوب جی بھر کر کھائے۔ اور ایک حوض کے کنارے بیٹھ کر سوچنے لگا۔ کہ یا اللہ یہ باغ کس کا ہے؟ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا۔ کہ سامنے سے کچھ پریاں آتی دکھائی دیں۔ جو سر سے پیر تک مرصع زیوروں سے آراستہ تھیں۔ حاتم نے انہیں اور انہوں نے حاتم کو دیکھا۔ اور دونوں حیرت میں رہ گئے۔ پریاں حاتم کے قریب آئیں۔ تو وہ اُن سے اس باغ کا حال پوچھنے لگا۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ یہ محل پری نوشش لب کا ہے۔ اتنے میں پری نوشش لب خود بھی آ پہنچیں۔ حاتم اُسے دیکھتے ہی بے ہوش ہوگیا۔ پریاں گلاب چھڑک کر اُسے ہوش میں لائیں۔ تو نوشش لب نے حاتم سے کہا۔ اے شخص! سچ سچ بتا! کہ تو کون ہے؟؟ اور کیونکر اس سرزمین میں پہنچا ہے۔ حاتم نے اپنی ساری رُوداد منیر شامی اور حسن بانو کی محبت اور حسن بانو کے سوالوں کی پری کو سُنا دی۔ پری نے حاتم کا حال سُنا۔ تو اس کی بڑی خاطرداری کی۔ چار دن تک حاتم پری کا مہمان رہا۔ پانچویں دن وہاں سے رخصت ہوا۔ کوئی بیس دن تک پہاڑ ہی پہاڑ پر چلتے چلتے ایک جنگل میں پہنچا۔ یہاں اُسے سونے کا دریا دکھائی دیا۔ جس کا پانی گلے ہوئے سونے کی طرح لہریں لے رہا تھا۔ حاتم کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ یہ دریا کیسے پار کروں؟ اتنے میں ایک ناؤ دُور سے اس کی طرف آتی نظر آئی۔ آتے ہی کنارے پر رُک گئی۔ حاتم اللہ کا نام لے کر اس میں بیٹھ گیا۔ دیکھا تو کشتی میں ایک طباق گرم حلوے کا رکھا ہے۔ خوب جی بھر کے کھایا۔ ایک کٹورے میں پانی بھر کر منہ کو لگایا ہی تھا۔ کہ پتا چلا کہ وہ کٹورا اور اگلے دو تین دانت سونے کے ہو گئے ہیں۔ غرض کہ چالیس دن تک اسی کشتی پر رہا۔ اس کے بعد کشتی جا کر کنارے لگی۔ اور اس نے نیچے اُتر کر شکر کا دوگانہ ادا کیا۔ اور آگے بڑھا۔ سات دن کے بعد ایک ایسے میدان میں پہنچا۔ جہاں کی زمین آگ کی طرح تپ رہی تھی۔ تھوڑی دُور اور چلا۔ تو گرمی کے مارے چلنا دوبھر ہوگیا۔ گرمی سے ہونٹ خشک ہوگئے۔ بے قرار ہو کر مُہرہ مُنہ میں ڈال لیا۔ لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ حاتم زمین پر گر کر ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگا۔ سمجھا۔ کہ اب موت کا وقت قریب ہے اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں سے توبہ کرنے لگا۔ یہاں تک کہ بیہوش ہوگیا۔ اتنے میں وہی دو آدمی جنہوں نے حاتم کو جواہر دیئے تھے۔ آئے۔ اور حاتم کو ٹھنڈا پانی پلا کر ہوش میں لائے۔ حاتم نے انہیں دیکھا۔ تو جان میں جان آئی۔ پوچھنے لگا اے دوستو! یہاں اتنی گرمی کیوں ہے؟۔ وہ بولے دریائے آتش یہاں سے قریب ہے۔ یہ گرمی اسی کی ہے۔ تو یہ مُہرہ لے۔ اس سے گرمی کا اثر جاتا رہے گا۔ اور تو آسانی سے دریائے آتش کو پار کر لے گا۔ حاتم نے وہ مُہرہ ان سے لے لیا۔ اور وہ دونوں سامنے سے غائب ہوگئے۔ حاتم مہرہ مُنہ میں رکھ کر آگے چلا۔ تھوڑی دُور چل کر آگ کے اونچے اونچے شعلے نظر آنے لگے۔ حاتم سمجھ گیا کہ یہی دریائے آتش ہے۔ قریب پہنچا۔ تو دیکھا۔ کہ شعلوں کی لہریں آسمان تک پہنچ رہی ہیں۔ حاتم حیرت سے کبھی شعلوں کو دیکھتا تھا۔ اور کبھی اپنے آپ کو۔ کہ شعلوں کے بیچ میں سے ایک کشتی آتی نظر آئی۔ وہ آ کر اس کے پاس ٹھہر گئی۔ حاتم تن بہ تقدیر کشتی میں جا بیٹھا۔ اور کشتی میں رکھے ہوئے نان کباب سے پیٹ بھرا لیکن آگ کے ان شعلوں کو دیکھ کر جان نکل جاتی تھی۔ اس لئے آنکھوں پر پٹی باندھ کر کشتی میں ایک کونے میں پڑا رہا۔ تین دن کے بعد کشتی کنارے سے لگی۔ اور حاتم نیچے اُترا۔ تو نہ وہ دریائے آتش تھا۔ نہ وہ کشتی۔ بس ایک ہرا بھرا جنگل تھا۔ یہاں کے ذرے ذرے میں اُسے وطن کی سہاؤنی خوشبو آ رہی تھی۔ اتنے میں ایک آدمی نظر آیا۔ اس سے پوچھا۔ کہ یہ کون سا دیس ہے۔ اُس نے کہا۔ یمن۔ یمن کا نام سن کر ماں باپ کی یاد۔ اور ملکہ زرّیں پوش کی محبت نے ایسا ستایا۔ کہ جی میں آئی۔ کہ کچھ دن وطن میں رہ کر شاہ آباد جاؤں۔ لیکن پھر منیر شامی کی پریشانی پہ نظر کر کے شاہ آباد کا رُخ کیا۔ اور جلد ہی وہاں جا پہنچا۔ اور حسن بانو کو جا کر کوہ ندا کا سارا حال سنایا۔ اُسے اپنے چاندی کے ناخن۔ سونے کے دانت اور وہ قیمتی پتھر دکھائے۔ جو پریوں کے دیس سے لایا تھا۔

حسن بانو نے کوہ ندا کا حال سن کر حاتم کی ہمت اور جواں مردی کو ہزار آفرین کہا۔ حاتم حسن بانو سے رخصت ہو کر منیر شامی کے پاس آیا۔ اُسے سفر کا سارا حال سنایا۔ اور ایک دو دن سرائے میں ٹھہر کر پھر حسن بانو کے پاس پہنچا۔ اور کہا۔ اے ملکہ حسن۔ اب بتا۔ کہ تیرا چھٹا سوال کیا ہے؟ حسن بانو نے حاتم کو ایک موتی دکھایا۔ جو مرغابی کے انڈے کے برابر تھا۔ اور کہا۔ کہ مجھے اسی ساتھ کا ایک موتی اور چاہیئے۔ حاتم نے کہا جس طرح

اللہ نے اور مشکلیں میرے لئے آسان کی ہیں۔ یہ بھی کرے گا۔

حاتم کا مرغابی کے انڈے کے برابر موتی لانا

غرض حاتم حسن بانو اور منیر شامی سے رخصت ہو کر موتی کی تلاش میں چل پڑا۔ شاہ آباد سے کوئی پانچ چھ کوس چل کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ اور اپنے دل میں سوچنے لگا۔ اے اللہ بغیر کسی نشان کے موتی ڈھونڈنے کہاں جاؤں؟ اسی طرح بیٹھے بیٹھے شام ہو گئی۔ اتفاق کی بات اسی درخت پر ایک ہفت رنگی چڑیا کا جوڑا بسیرا لینے کے لئے آن بیٹھا۔ مادہ نر سے کہنے لگی۔ نر! ہمیں اس جنگل میں رہتے اتنے دن ہو گئے۔ لیکن یہاں کی آب و ہوا ہمیں موافق نہیں آئی۔ اب کسی اور طرف کو چلنا چاہیئے۔

نر نے کہا۔ ہاں تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ کل صبح ہوتے ہی یہاں سے کسی اور طرف کا کوچ کریں گے۔ تھوڑی دیر بعد مادہ بولی۔ اس درخت کے نیچے ایک آدمی بیٹھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بے چارہ کسی بڑی سوچ میں پڑا ہوا ہے۔ معلوم نہیں کون ہے؟ اور اسے کیا پریشانی ہے۔۔ نر کہنے لگا۔ اے مادہ! یہ شخص یمن کا رہنے والا ہے۔ حاتم اس کا نام ہے۔ اور اس نے دوسروں کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنا رکھا ہے۔ اب بے چارہ منیر شامی کی خاطر کئی برس سے مارا مارا پھر رہا ہے۔ آج بھی اس کے لئے مرغابی کے انڈے کے برابر موتی تلاش کرنے نکلا ہے۔ اور اسے نہیں معلوم کہ موتی کہاں ملے گا۔ وہ بولی۔ کیا کوئی ایسا نہیں جو اس بچارے کی کچھ مدد کرے۔ نر نے کہا۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ انڈا کہاں ہے۔ اور کس طرح مل سکتا ہے۔ مگر تو اسے بتاؤں۔ مادہ کہنے لگی۔ اے نر اگر ایسا ہو جائے۔ تو کیا حرج ہے۔ انسان پر جانور کا احسان ہوگا۔ نر کہنے لگا۔ اے مادہ۔ اس موتی کا قصہ یوں ہے کہ پرانے زمانے میں دریائے قہرمان کے کنارے ایک پرندہ رہتا تھا۔ وہ تیس برس میں انڈا دیتا تھا۔ اور یہ انڈا وہی موتی ہے جس کی تلاش میں حاتم نکلا ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ کہ اس پرندے نے دو انڈے دیئے۔ ان میں سے ایک پریوں کے بادشاہ شمس شاہ کے ہاتھ آیا۔ اور دوسرا برزخ کے جزیرے میں ماہ یار سلیمانی کے پاس ہے۔ جو موتی شمس شاہ کے پاس تھا۔ وہی گھومتا پھرتا حسن بانو تک پہنچا ہے۔ دوسرے پر حضرت سلیمان کے حکم سے ہشام پری کا قبضہ ہوا۔ ماہ یار سلیمانی اسی پری کا بیٹا ہے۔ اس لئے موتی کا مالک ہے۔ اس لئے اگر حاتم ماہ یار سلیمانی تک پہنچ جائے۔ تو اسے وہ موتی مل سکتا ہے۔ لیکن ماہ یار سلیمانی نے اس موتی کے دینے کی ایک شرط مقرر کر رکھی ہے۔ اور وہ یہ کہ جو کوئی اس موتی کی پیدائش کا حال بتائے گا۔ یہ موتی اس کو دے دے گا۔ مادہ نے کہا۔ اب تو تمہاری سب باتیں اس نوجوان نے سن لی ہوں گی۔ وہ جائے اور جاکر موتی لے آئے۔ نر ہنسا اور کہنے لگا۔ اے نادان! یہ کام اتنا آسان نہیں۔ جتنا تو سمجھتی ہے۔ اس لئے کہ برزخ کے جزیرے تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں۔ راستہ میں بہت سے خطرے ہیں۔ اور سب سے بڑا خطرہ یہ ہے۔ کہ راستہ میں دیوؤں کی سرزمین ہے۔ وہ اسے ہرگز جیتا نہ چھوڑیں گے۔ مادہ بولی کہ پھر اس کا کوئی علاج بھی ہے؟۔ نر نے جواب دیا۔ ہاں ایک علاج ہے۔ اگر حاتم ہمارے تھوڑے سے پر اپنے پاس رکھ لے۔ تو وہ اس کے بہت کام آئیں گے۔ مادہ نے پوچھا۔ کیا کام آئینگے؟؟ نر نے جواب دیا۔ کوہ قاف کی حد میں ایک بہت بڑا صحرا آئے گا۔ اسے پار کرنا بڑا مشکل ہے۔ اسلئے حاتم جب وہاں پہنچے تو ہمارے چار پانچ لال پر جلا کر ان کی راکھ اپنے بدن پر مل لے۔ اس کی بو سے صحرا کے تمام جانور اس سے دور رہیں گے۔ پھر یہ خاک ملنے سے اس کی شکل بھی دیو جیسی ہو جائے گی۔ اور دیو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ مادہ بولی۔ لیکن حاتم دیو سے آدمی کس طرح بنے گا؟۔ نر نے ہنس کر کہا۔ اس کی ترکیب یہ ہے۔ کہ جب حاتم صحرائے عظیم طے کر چکے تو ہمارے سفید پر جلا کر راکھ اپنے بدن پر مل لے۔ اپنی صورت میں آجائے گا۔ اور یہاں سے دیو اسے پکڑ کر ماہ یار سلیمانی کے پاس لے جائیں گے۔ بادشاہ حاتم سے اس کے آنے کی غرض پوچھے گا۔ حاتم اسے سچ سچ بتا دے گا۔ اس پر بادشاہ اس سے کہے گا۔ کہ یہ موتی تو میں اس آدمی کو دوں گا۔ جو مجھے اس کی پیدائش کا حال بتائے۔ اس وقت حاتم کو چاہیئے۔ کہ موتی کی پیدائش کا وہ حال ماہ یار سلیمانی کو سنا دے۔ جو اس نے آج مجھ سے سنا ہے۔

نر تو یہ باتیں کر کے چپ ہو رہا۔ اور حاتم نے چڑیوں کے دو لال اور سفید پر چن کر اکٹھے کر لئے۔ جو پیڑ کے نیچے پڑے تھے۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ اور وہیں پڑ کر سو رہا۔ صبح ہوئی۔ تو پرند ایک طرف کو اڑ گئے۔ اور حاتم برزخ کے جزیرے کی طرف سدھارا۔

دو چار دن جنگل میں چلتا رہا۔ آخر ایک دن دوپہر کو درخت کے نیچے آرام کرنے کو لیٹ گیا۔ ابھی مشکل سے آنکھ لگی تھی۔ کہ کسی کے رونے بلبلانے کی آواز آئی۔ سن کر آنکھ کھل گئی۔ حاتم آواز کی طرف چلا۔ تھوڑی دور جاکر دیکھا تو ایک لومڑی تڑپ تڑپ کر فریاد کر رہی ہے۔ حاتم نے پوچھا اے نیک بخت! تجھ پر کیا مصیبت پڑی ہے۔ کہ یوں رو رو کر جان دے رہی ہے۔ لومڑی رو کر کہنے لگی۔ اے نیک بخت اللہ تیرا بھلا کرے۔ جو یوں دوسروں کے دکھ درد کی آواز سن کر ان کا حال پوچھتا ہے۔ بات یہ ہے۔ کہ پاس کے گاؤں میں ایک بہیلیا رہتا ہے۔ وہ میرے میاں اور بچوں کو پکڑ لے گیا۔ اور مجھے یوں تڑپتا چھوڑ گیا۔ حاتم نے کہا۔ اے لومڑی! تو میرے ساتھ چل کر دور سے مجھے بہیلیئے کا گھر بتا دے۔ اللہ نے چاہا۔ تو میں تیرے بچوں کو تجھ سے لا کر ملا دوں گا۔ لومڑی اس کے قدموں پر گر پڑی۔ اور پھر اُسے بہیلیئے کے گھر کا راستہ دکھانے چلی۔ تھوڑی دیر میں گاؤں آگیا۔ لومڑی نے دور سے حاتم کو بہیلیئے کا گھر دکھا دیا۔ اور آپ ایک درخت کے نیچے جا بیٹھی۔ حاتم بہیلیئے کے گھر پہنچا۔ اور اس سے کہنے لگا۔ اے نیک شخص۔ میں اس ملک میں پردیسی ہوں۔ یہاں آکر بیمار ہو گیا۔ میری بیماری لومڑی کے خون سے جا سکتی ہے۔ اگر تمہارے پاس لومڑی کے کچھ بچے ہوں۔ تو مجھے مول دے دو۔ بہیلیئے نے لومڑی کے بچوں اور ان کے باپ کو حاتم کے سپرد کر دیا۔ حاتم نے اُسے روپے دیئے۔ اور لومڑ اور اُس کے بچوں کو لا کر لومڑی سے ملا دیا۔ بچے دوڑ کر لومڑی سے لپٹ گئے۔ لیکن لومڑ اتنا کمزور ہو گیا تھا۔ کہ اس کا ہلنا بھی مشکل تھا۔ حاتم نے خنجر سے اپنی ایک رگ کا منہ کھول دیا۔ اس میں سے خون بہنے لگا۔ اور وہ خون حاتم نے لومڑ کو پلایا۔ تو اس کی جان میں جان آئی۔ اور لومڑی حاتم کو دعائیں دیتی لومڑ اور بچوں سمیت جنگل کی طرف چلی گئی۔

حاتم جنگل کے پھل کھاتا اور چشموں کا پانی پیتا چلا جاتا تھا۔ کہ ایک دن اُسے دور سے ایک چشمہ نظر آیا۔ جس کا پانی چاندی کی طرح چمک رہا تھا۔ پاس جاکر دیکھا۔ تو وہاں چشمہ نہ تھا۔ بلکہ ایک سفید سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔ حاتم سانپ کو دیکھتے ہی وہاں سے پلٹ پڑا۔ ابھی مشکل سے منہ پھیرا تھا۔ کہ کسی کی آواز آئی۔ اے یمنی جوان! تو واپس کیوں چلا؟ حاتم نے پلٹ کر دیکھا۔ تو سانپ اس سے باتیں کر رہا تھا۔ حاتم نے کہا۔ اے بندۂ خدا! میں پیاسا تھا۔ دور سے تجھے دیکھ کر یہ سمجھا۔ کہ پانی کا چشمہ ہے۔ اب پیاسا ہوں کہیں اور جاکر پانی پیوں گا۔ سانپ نے کہا اے حاتم! خاطر جمع رکھو۔ تجھے یہاں سب کچھ مل جائیگا۔ یہ کہہ کر سانپ ایک طرف کو چل پڑا۔ حاتم اس کے پیچھے ہو لیا۔ تھوڑی دور چل کر دونوں ایک باغ میں پہنچے۔ جو پرستان کے باغوں کی طرح سرسبز شاداب تھا اور ہر طرف درخت رنگ برنگ کے پھولوں سے لدے کھڑے تھے۔ بیچ میں ایک حوض تھا۔ اس کا پانی اتنا شفاف تھا۔ کہ حاتم کا جی دیکھ کر خوش ہو گیا۔ سانپ حاتم کو وہیں ٹھہرا کر حوض میں کود پڑا۔ حاتم باغ کی سیر کرنے لگا۔ اتنے میں کچھ پری زاد حوض سے نکلے۔ اور کچھ خوان ہیرے جواہرات

سے بھرے ہوئے حاتم کے آگے لاکر رکھ دیئے۔ کچھ اور پری زاد آئے۔ اور حوض کے کنارے پر پُرتکلف فرش بچھاکر چلے گئے۔ پھر کچھ اور پری زاد زربفت اور بادلے کے خوان پوشوں سے ڈھکے ہوئے خوان لائے۔ جن میں قیمتی جواہرات بھرے ہوئے تھے۔ حاتم دل میں سوچ رہا تھا۔ کہ یہ سب کس کیلئے ہے۔ کہ ایک پری زاد نے کہا۔ ہمارے آقا نے یہ سب خوان آپ کی خدمت میں بھیجے ہیں۔ حاتم نے کہا۔ لیکن تمہارے آقا خود کہاں ہیں؟ ابھی پری زاد جواب نہیں دینے پایا تھا۔ کہ ایک نوجوان حسین و جمیل حوض سے نکلا۔ چالیس پری زاد اس کے اردگرد حلقہ کئے ہوئے تھے۔ وہ نوجوان آہستہ آہستہ حاتم کیطرف آیا۔ اور اس سے بغل گیر ہوا۔ حاتم نے کہا۔ اے عزیز۔ تو نے مجھ پر بڑی مہربانی فرمائی۔ مگر یہ تو بتا۔ کہ تو ہے کون؟

اُس نے کہا۔ ذرا توقف کرو۔ پہلے ہاتھ منہ دھو کر کھانا کھالو۔ پھر سب کچھ بتا دوں گا۔ غرض فوراً ہی ایک پُرتکلف دسترخوان بچھا اور اس پر کھانے چن دیئے گئے۔ اور سب نے خوب سیر ہوکر کھائے۔ اس کے بعد حاتم نے کہا۔ اے عزیز! اب مجھے اپنی داستان سُنا۔

نوجوان بولا۔ اے حاتم! میں وہی سانپ ہوں جو تمہیں ابھی یہاں لایا تھا۔ میرا اصلی نام شمس شاہ ہے۔ اور میں پری زاد ہوں۔ ایک دن میں باغ میں سیر کر رہا تھا۔ کہ میرے جی میں یہ سمائی۔ کہ بڑا سا لشکر لے کر آدمیوں کے ملک پر چڑھائی کروں اور اُسے اپنی سلطنت میں شامل کر لوں۔ یہ سوچ کر فوج آراستہ کی۔ اور طے پایا۔ کہ صبح کو آدمیوں کے ملک پر حملہ کریں گے۔ لیکن صبح کو آنکھ کھلی۔ تو دیکھا۔ کہ میں اور میرے لشکر کے سب سپاہی اور افسر سانپ بن گئے ہیں۔ یہ حالت دیکھی تو خوفِ خدا سے کانپ گیا۔ اور اس کی بارگاہ میں عاجزی سے توبہ کی۔ دن بھر رو رو کر دُعا مانگتا رہا۔ خدا نے میری یہ عاجزی سُن لی۔ اور اپنے فضل سے پوری فوج کو اُس کی اصلی صورت واپس دے دی لیکن میں سانپ ہی رہا۔ میں نے سجدہ میں گر کر پھر توبہ کی۔ تو حکم ہوا۔ کہ اے شمس شاہ ہم نے تیرا گناہ معاف کیا۔ لیکن تجھے ابھی تیس برس تک اپنے جرم کی سزا بھگتنی ہوگی۔ تیس سال کے بعد ایک حاتم نامی یمنی جوان یہاں آئے گا۔ اُسے دیکھ کر تو اپنی صورت پر آجائے گا۔ لیکن اس صورت پر ہمیشہ صرف اس وقت رہ سکتا ہے۔ کہ وہ جوان یمنی تیرے حق میں دعا کرے اگر وہ دعا نہ کرے گا تو تو پھر سانپ بن جائے گا۔ اے حاتم! اس بات کو آج پورے تیس سال ہوئے ہیں۔ میں تیس سال سے تیرے انتظار میں ہوں۔ اب اگر تو میرے حق میں دعا کرے۔ تو میری مراد بر آوے۔

حاتم نے اُسی وقت دُعا کیلئے ہاتھ اٹھائے۔ اور خدا نے اس کی دعا قبول کی۔ اس کے بعد شمس شاہ حاتم سے کہنے لگا۔ کہ اے صاحب! آپ یہاں کس کام سے تشریف لائے ہیں۔ اور اب کدھر جانے کا ارادہ ہے۔ حاتم نے کہا۔ میں شاہ آباد سے آیا ہوں۔ اور برزخ کے جزیرے جانے کا ارادہ ہے۔ کہ وہاں سے انڈے کے برابر موتی لاؤں۔ شمس شاہ نے کہا اے صاحب! یہ کام بڑا دشوار ہے۔ آپ اس سے باز آئیے۔ اس لئے کہ برزخ کے جزیرے کا راستہ سراسر خطروں سے پُر ہے۔ حاتم بولا۔ اے شمس شاہ جوان مرد کا کام نہیں۔ کہ خطروں کے ڈر سے پیچھے ہٹ جائے۔ میں برزخ کے جزیرے ضرور جاؤں گا۔ چاہے راستہ میں کتنی ہی مصیبتیں کیوں نہ اٹھانی پڑیں۔ شمس شاہ نے کہا۔ کہ اگر تم نے وہاں جانے کا فیصلہ کر رکھا ہے تو خدا تمہاری مدد کرے۔ میں کچھ پری زاد تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں وہ ہر حال میں تمہارے ساتھ رہیں گے۔ یہ کہہ کر اور چھ پری زادوں کو حاتم کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔ وہ حاتم کو ایک اُڑن کھٹولے پر لے کر جزیرہ برزخ کیطرف روانہ ہوگئے۔

تین دن تک پری زاد حاتم کو لئے یوں ہی اُڑتے چلے گئے۔ چوتھے دن ایک درخت کے نیچے کھٹولا اُتارا۔ اور ایک پری زاد کو وہاں چھوڑ کر کھانے پینے کی تلاش میں ادھر اُدھر چلے گئے۔ تھوڑی دیر میں کئی ہزار دیو شکار کھیلتے ہوئے اُدھر آنکلے۔ اور آن کر اُڑن کھٹولے کو گھیر لیا۔ دیوؤں اور پری زاد میں لڑائی ہونے لگی۔ پری زاد نے کچھ کو تو مار گرایا۔ آخر پکڑا گیا۔ دیو پری زاد کو حاتم سمیت پکڑ کر اپنے سردار کے پاس لے گئے۔ اس نے حاتم اور پری زاد کو ایک کنوئیں میں قید کروا دیا۔ اتنے میں وہ پری زاد کھانا لے کر لوٹے تو دیکھا کہ نہ وہاں حاتم ہے۔ اور نہ پری زاد۔ تین چار دیو البتہ مرے ہوئے پڑے ہیں۔ سمجھ گئے۔ کہ دیو دونوں کو پکڑ کر لے گئے ابھی وہ کھڑے سوچ ہی رہے تھے۔ کہ کیا کریں۔ کہ وہاں پڑے ہوئے دیوؤں میں سے ایک نے کروٹ لی۔ پری زادوں نے اُس سے پوچھا۔ کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا۔ کہ میں مقرنس دیو کا آدمی ہوں اور تمہارے ایک ساتھی نے میرا یہ حال کیا ہے۔ پری زادوں نے دیو کی یہ بات سُنی۔ تو اُسے لے کر سیدھے شمس شاہ کے پاس پہنچے۔ شمس شاہ نے سُنا۔ کہ مقرنس کے آدمی حاتم کو پکڑ کر لے گئے ہیں۔ تو اُسے سخت غصہ آیا۔ اس نے تیس ہزار کا لشکر لے کر مقرنس پر حملہ کر دیا۔ دونوں لشکروں میں خوب زور کی لڑائی ہوئی۔ دیو کا لشکر ہار گیا۔ اور مقرنس گرفتار ہوکر شمس شاہ کے سامنے آیا۔ مقرنس شمس شاہ کے سامنے آیا تو اس کے پیروں پر گر پڑا۔ اور شمس شاہ کا حکم ملتے ہی چند دیوؤں کو بھیج کر حاتم کو کنوئیں کی قید سے باہر نکلوایا۔ اور لاکر شمس شاہ کے سپرد کر گیا۔

شمس شاہ نے حاتم کو دیکھا تو اُٹھ کر گلے سے لگا لیا۔ اور پوچھا کہ بولو۔ اب کیا ارادہ ہے۔ حاتم نے کہا کہ مردوں کا ارادہ کبھی نہیں بدلتا۔ جس طرح بھی ہو۔ مجھے جزیرہ برزخ پہنچ کر وہاں سے موتی لانا ہے۔ شمس شاہ نے کہا۔ اگر ایسا ہے۔ تو میرے ساتھی آپ کو وہاں تک پہنچا دیں گے۔ یہ کہہ کر اپنے چند بوڑھے اور آزمودہ کار ساتھیوں کو حاتم کے ساتھ کیا۔ اور وہ حاتم کو اڑن کھٹولے پر بٹھا کر جزیرہ برزخ کیطرف چل دیئے۔ رات دن اسی طرح اڑے چلے جاتے تھے۔ جہاں کہیں بھوک پیاس لگتی۔ نیچے اترتے اور کھاپی کر پھر سے اڑنے لگتے۔ اسی طرح پندرہ دن تک اڑتے رہے۔ سولھویں دن ایک پہاڑ پہ اترے۔ اس پہاڑ پر اترتے ہی حاتم نے سُنا۔ کہ کوئی اس درد کے ساتھ آہ و زاری کر رہا ہے۔ کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ پری زادوں سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تو وہ بولے۔ کہ یہاں بہت دن سے پری زادوں کے ایک شہزادے مہرور نے اپنا گھر بنایا ہے۔ یہ شہزادہ برزخ کی بیٹی سے محبت کرتا ہے۔ اور اُس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کی شرط پوری نہیں کر سکتا۔ اس لئے رو رو کر جان دے رہا ہے۔ حاتم نے کہا۔ چلو پاس چل کر دیکھیں۔ یہ سوچ کر حاتم پری زادوں کو ساتھ لے کر اُدھر چلا۔ جدھر سے رونے کی آواز آ رہی تھی۔ پاس جاکر دیکھا تو ایک حسین و جمیل، نوجوان پتھر پر بیٹھا رو رہا تھا۔ حاتم نے کہا۔ اے نوجوان! تجھ پر کیا مصیبت آئی۔ جو دیوانوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا ہے۔ نوجوان بولا۔

اے بندۂ خدا! تجھے اِس سے کیا غرض؟ کہ میں کون ہوں۔ اور کس لئے روتا ہوں۔ تو اپنی راہ لے۔ اور مجھے میرے حال پر چھوڑ۔ حاتم نے اس کی یہ بات سُنی۔ تو کہنے لگا۔ اے نوجوان۔ یہ بات مروّت کے خلاف ہے کہ کوئی محبت اور ہمدردی سے تیرا حال پوچھے۔ تو اُسے ایسے جواب دے۔ نوجوان نے حاتم کی یہ بات مانی۔ تو حاتم سے بولا۔ اے عزیز! میرا قصور معاف کر! میں غم سے اپنے ہوش میں نہیں۔ ورنہ تجھ سے ایسی بات نہ کرتا۔ تو یہاں بیٹھ جا۔ میں تجھے اپنا سارا حال سُناتا ہوں۔ حاتم بیٹھ گیا۔ تو نوجوان نے وہی باتیں دہرائیں۔ جو پری زادوں نے حاتم سے کہی تھیں۔

حاتم نے شہزادے کا حال سنا۔ تو اس سے کہنے لگا۔ اے شہزادے! خدا کا شکر

اداکرو۔ کہ اس نے مجھے یہاں بھیجا۔ مجھے برزخ کے موتی کا حال اچھی طرح معلوم ہے۔ میں شاہ برزخ سے موتی کا حال کہہ کر موتی اس سے لے لوں گا۔ اور اس کی لڑکی کی شادی تجھ سے کروا دوں گا۔ شہزادہ مہرور حاتم کی بات سن کر ہنسنے لگا۔ اس کے ہنسنے پر پری زادوں نے کہا۔ اے شہزادے! اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں۔ ہم سب پری زاد شمس شاہ کے ملازم ہیں ہمیں معلوم ہے۔ کہ اسے موتی کا حال معلوم ہے۔ جو شاہ برزخ کے پاس ہے شہزادہ مہرور نے سُنا تو اُٹھ کر شہزادے کو گلے لگایا۔ اور کہا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ برزخ کے جزیرے میں چلتا ہوں۔

غرض یہ دونوں اُڑن کھٹولے پر بیٹھ گئے۔ اور پری زاد انہیں لے کر اُڑے راستہ میں ایک باغ آیا۔ تو سستانے کو وہاں اُتر پڑے۔ اتفاق سے وہ باغ مہاکال دیو کا تھا۔ اس نے جو ایک آدمی اور ایک پری زاد کو ساتھ ساتھ باغ میں ٹہلتے دیکھا۔ تو اپنے دیووں کو حکم دیا۔ کہ انہیں پکڑ لاؤ۔ دیو دونوں کو مہاکال دیو کے پاس لے آئے۔ دیو نے دونوں سے اس کا حال پوچھا۔ اور شہزادہ مہرور سے بولا۔ تم تو پری زاد ہو۔ اس لئے تمہیں چھوڑتا ہوں۔ لیکن اس آدم زاد کو ہرگز نہ جانے دوں گا۔ شہزادہ مہرور اور دوسرے پری زادوں نے لاکھ کہا سُنا۔ لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ اور حاتم کو پکڑ کر ایک مکان میں بند کر دیا۔ شہزادہ مہرور اور پری زاد وہاں سے چلے آئے۔ اور ایک جگہ بیٹھ کر مشورہ کرنے لگے کہ اب حاتم کو کس طرح وہاں سے رہائی دلائیں۔ بہت دیر سوچ کر یہ طے کیا۔ کہ رات کو جب پہرے دار دیو سو جائیں۔ تو حاتم کو وہاں سے لے کر اُڑ جائیں۔ یہ طے کر کے اس مکان کے قریب جا کر چھپ گئے۔ جہاں حاتم قید تھا۔ رات کو بارہ بجے کے قریب جب پہرےدار غافل ہو گئے۔ پری زاد اُڑ کر اس گھر میں پہنچے۔ اور حاتم کو اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر وہاں سے نکال لائے۔ اور رات کی رات اُسے لے کر مہاکال دیو کی سرحد سے باہر نکل گئے۔ اور دو تین دن بعد قہرمان کی سرحد پر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر شمس شاہ کے پری زاد بولے۔ اب ہماری مجال نہیں کہ اس سے آگے جا سکیں۔ اس لئے مجبوراً ہم آپ کو چھوڑ کر اپنے ملک جاتے ہیں۔ حاتم نے ہنسی خوشی انہیں رخصت کیا۔ لیکن مہرور نے کہا۔ اے عزیز! میں ہرگز تیرا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔ ہر حال میں تیرا شریک رہوں گا۔ یہ جگہ وہی تھی۔ جہاں حاتم کو چڑیا کے لال پروں کی راکھ اپنے بدن پر ملنی تھی۔ اس نے مہرور سے کہا۔ اے دوست! میں تو راکھ مل کر اصلی دیو کی صورت بن جاؤں گا۔ لیکن تم میرے ساتھ کیسے چلو گے؟ مہرور نے جواب دیا۔ میں اُڑتا ہوا ساتھ ساتھ چلوں گا۔ غرض حاتم نے لال پر جلا کر اس کی راکھ بدن پر ملی۔ راکھ ملتے ہی اس کی صورت دیو جیسی ہو گئی۔ اور وہ دیووں کی سرزمین میں داخل ہو گیا۔ راستہ میں جدھر سے گزرتا۔ ہزاروں دیو ملتے۔ لیکن اُسے دیو سمجھ کر کچھ نہ کہتے۔ ادھر مہرور ہوا میں اُڑتا ہوا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ اسی طرح کئی دن سفر کرتے رہے۔ دن بھر راستہ چلتے۔ جہاں رات ہوتی مہرور بھی نیچے اُتر آتا۔ دونوں ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے۔ اور سو رہتے۔ صبح ہوتے ہی پھر آگے بڑھتے۔ ایک دن دونوں ایک جگہ پڑے سو رہے تھے۔ کہ اتفاق سے کچھ دیو اُدھر آ نکلے۔ حاتم کو تو دیو سمجھ کر چھوڑ دیا۔ لیکن مہرور کو پکڑ لیا۔ لیکن مہرور نے دیووں کی بولی میں اُن سے ایسی باتیں ملائیں، کہ انہوں نے مہرور کو بھی چھوڑ دیا۔ اور دونوں نے پھر اسی طرح آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ حاتم زمین پر چلتا اور مہرور ہوا میں اُڑتا۔ تین دن اسی طرح سفر کرتے کرتے دریائے قہرمان کے کنارے پہنچے۔ حاتم نے دیکھا۔ کہ دریا کی لہریں پہاڑ سے بھی اونچی اٹھتی ہیں اور اُس میں ہاتھی سے بھی بڑے بڑے جانور تیرتے پھر رہے ہیں۔ دریا کا پاٹ ایسا ہے۔ کہ دوسری طرف کا کنارہ نظر نہیں آتا۔ حاتم نے دریا کو دیکھ کر مہرور سے کہا۔ اے شہزادے! بھلا اس دریا کو کیسے پار کریں گے؟ مہرور بولا۔ یہ دریا پیچ در پیچ ایسا ہے۔ کہ کسی آدمی یا پری زاد کی مجال نہیں کہ اسے پار کر سکے۔ ہاں ایک ترکیب ہے۔ یہاں سے تھوڑی دور میرے ششتان پری زاد کا پایہ تخت ہے۔ اس کے پاس اڑنے اور تیرنے والے گھوڑے ہیں۔ اگر تم دونوں یہاں ٹھہرو۔ تو میں جا کر دو گھوڑے اس سے مانگ لاؤں۔ حاتم نے کہا۔ جاؤ اور ضرور جاؤ۔

یہ سُنتے ہی مہرور ہوا میں اڑ گیا۔ اور دو دن میں ششتان سے دو ہوائی گھوڑے جو تیرنے میں بھی لاجواب تھے۔ لے کر واپس آ گیا۔ ایک گھوڑے پر حاتم سوار ہوا۔ اور دوسرے پر مہرور۔ ان کے بیٹھتے ہی گھوڑے ہوا پر اُڑنے لگے۔ اور چند دن میں دریائے قہرمان کے دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ یہاں پہنچ کر مہرور نے حاتم سے کہا۔ اے دوست! اگر مانو تو ایک بات کہوں۔ حاتم نے کہا۔ شوق سے کہو۔ مہرور بولا۔ میرا ملک یہاں سے تھوڑی دور ہے۔ میرا جی چاہتا ہے۔ کہ وہاں جا کر تھوڑا سا لشکر لے آؤں۔ تاکہ ہم تم ماہ یار سلیمانی کے شہر میں کروفر کے ساتھ داخل ہوں۔ حاتم کہنے لگا۔ تمہاری خوشی ہے۔ تو تم اپنے وطن ضرور جاؤ۔ لیکن لشکر لانے کی آخر کیا ضرورت ہے۔ ہم کوئی ماہ یار سلیمانی سے لڑنے تو جا نہیں رہے ہیں۔ شہزادہ بولا۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ ہم لڑنے نہیں جا رہے ہیں۔ لیکن اگر ٹھاٹ باٹ سے جائیں گے۔ تو ماہ یار ہم سے عزت کے ساتھ پیش آئے گا۔ حاتم نے کہا۔ تمہاری یہی خوشی ہے۔ تو شوق سے جاؤ۔ لیکن یہ بتائے جاؤ۔ کہ کب تک واپس آؤ گے؟ مہرور نے کہا۔ مجھے واپسی میں ایک ہفتہ لگے گا۔ غرض شہزادہ مہرور وہاں سے اڑا۔ تین دن میں اپنے باپ کی مملکت میں پہنچ گیا۔ جا کر ماں باپ کے قدموں پر گر پڑا۔ ماں باپ بیٹے کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ اُسے گلے لگایا۔ اور پوچھا۔ کہ بیٹا! تم اب تک کہاں تھے؟ مہرور نے اپنی مصیبتوں کا سارا حال ماں باپ کو سنایا۔ اور درخواست کی۔ کہ ایک لشکر میرے ساتھ کر دیجئے۔ میں جزیرہ برزخ جا کر شہزادی کو بیاہ کر لاؤں گا۔

باپ بولا۔ بیٹا! مجھے لشکر تمہارے ساتھ بھیجنے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن یہ بتاؤ۔ کہ جب تک ماہ یار سلیمانی کے سوال کا جواب نہ دے سکو۔ اس کی بیٹی کو کس طرح بیاہ کر لاؤ گے؟ اس پر مہرور نے حاتم کا سارا قصہ شروع سے آخر تک اپنے باپ کو سُنا دیا۔ باپ مہرور کی بات سن کر ہنسا۔ اور بولا۔ اتنی مصیبتیں اٹھا کر بھی تمہیں عقل نہ آئی۔ بھلا جو کام تم سے پری زاد ہو کر نہ ہو سکا۔ وہ ایک آدم زاد کیوں کر پورا کرے گا۔ مہرور بولا کہ ابا جان۔ وہ آدم زاد معمولی آدمی نہیں ہے۔ پری زاد اس کی عقل کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسلئے آپ ایک مرتبہ مجھے اور موقعہ دیجئے۔ خدا نے چاہا تو اس آدم زاد کی مدد سے مجھے کامیابی ہو گی۔

شہزادہ مہرور نے اپنی باتوں سے اپنے ماں باپ کو پوری طرح اطمینان دلا دیا۔ اور وہاں سے ایک بہت بڑا لشکر لے کر ساتویں دن اُسی جگہ پہنچ گیا۔ جہاں حاتم کو چھوڑ آیا تھا۔ اسی جگہ پہنچ کر پری زادوں کے لشکر نے ذرا سی دیر میں سارے میدان میں خیمے ڈیرے جمائے۔ حاتم اس وقت شکار کو گیا ہوا تھا۔ واپس آیا۔ تو ہر طرف چھاؤنی چھائی ہوئی تھی۔ دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اتنے میں شہزادہ مہرور ایک جگہ نظر آیا۔ مہرور نے لپک کر حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ اور اپنے خیمے میں لا کر مسند پر بٹھایا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا۔ اور رنگ برنگ کے کھانے اس پر چن دیئے گئے۔ حاتم مدتوں سے جنگل کے پھل پھلاری سے پیٹ بھر رہا تھا۔ آج جو اتنا اچھا کھانا ملا۔ تو خوب سیر ہو کر کھایا۔ اور رات بھر آرام سے پڑ کر سویا۔ صبح ہوئی تو کوچ کا نقارہ بجا۔ اور فوج نے چلنے کی تیاری کی۔ حاتم اور شہزادہ مہرور بھی دو گھوڑوں پر سوار ہوئے اور ماہ یار سلیمانی کے شہر کی طرف چلے۔

پری زادوں نے جا کر ماہ یار سلیمانی کو اطلاع دی۔ کہ پری زادوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہمارے

شہر کیطرف آرہا ہے۔ ماہ یار کو یہ خبر سن کر سخت غصہ آیا۔ اُس نے حکم دیا۔ کہ اس لشکر کا راستہ بند کر دو۔ تاکہ آگے نہ بڑھنے پائے۔ فوراً ہی ایک بڑے لشکر نے جاکر مہرور کے لشکر کا راستہ روک لیا۔ جب مہرور شہر کے قریب پہنچا۔ اور دیکھا کہ ایک بہت بڑی فوج اس کے استقبال کو وہاں موجود ہے۔ شہزادے نے فوراً اپنے ایک سردار کو فوج کے سردار کے پاس بھیجا۔ کہ ہم لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔ ہمیں تو صرف بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی آرزو ہے۔ ماہ یار سلیمانی کے سردار نے یہ بات سُنی۔ تو فوراً بادشاہ کے پاس عرضی بھیجی۔ کہ شہزادہ مہرور ایک آدم زاد کو لے کر آیا ہے۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ بادشاہ نے حکم بھیجا۔ کہ شہزادے اور اس کے ساتھی کو عزت کے ساتھ شہر میں لاؤ۔ غرض بادشاہ کے آدمی مہرور اور حاتم کو عزت سے شہر میں لے گئے۔ اور ایک پر تکلف مکان میں ان کے ٹھہرنے کا انتظام کیا۔ اور اگلے دن دونوں کو دربار میں بُلا کر اپنے پاس ہی مسند پر جگہ دی۔ پہلے تو مہرور سے باتیں کیں۔ پھر حاتم سے پوچھا۔ صاحب آپ کا کہاں سے آنا ہوا۔ اور یہاں کس طرح پہنچے۔ حاتم نے جواب دیا۔ اے پرستان کے بادشاہ! یہ ناچیز یمن کا رہنے والا ہے۔ یمن سے یہاں تک پہنچنے میں لاکھوں مصیبتوں کا سامنا تھا۔ اور یہاں تک پہنچنا انسان کے لئے ناممکن ہے۔ لیکن جو لوگ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اور اپنا ہر کام اللہ پر چھوڑتے ہیں۔ انہیں کوئی مشکل کام نہیں ہوتا۔ اسلئے آپ کی سرزمین تک پہنچنا میرے اوپر آسان ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا۔ اے جواں مرد! تیری بات ہمیں دل سے پسند آئی۔ لیکن اب یہ بھی بتا۔ کہ اتنا دور دراز کا سفر تو نے کیوں اختیار کیا؟ اور اس سفر کی مصیبتیں کیوں اٹھائیں۔ حاتم نے اس سوال پر حسن بانو کا دیا ہوا موتی تھیلے میں سے باہر نکالا۔ اور سامنے رکھ کر کہا۔ اس طرح کا ایک موتی سرکار کے خزانے میں ہے۔ میں اس کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں۔ اگر وہ مجھے عنایت ہو جائے تو میری محنت ٹھکانے لگے۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اے یمن کے نوجوان۔ تو نے یہ بات ٹھیک کہی۔ کہ اس موتی کی جوڑی میرے خزانے میں ہے۔ لیکن میں نے یہ شرط لگائی ہے۔ کہ جو کوئی اس موتی کی پیدائش کا حال بیان کرے۔ موتی اس کی ملکیت ہے۔ بلکہ اس موتی کے علاوہ میری اکلوتی بیٹی بھی اس کے گھر جائے گی۔ حاتم نے عرض کی۔ مجھے تو موتی کی ضرورت ہے۔ صاحب زادی کے مختار آپ ہیں جسے چاہیں دیں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اگر تو نے موتی کا حال ٹھیک ٹھیک بیان کر دیا۔ تو موتی اور بیٹی دونوں تیرے ہاتھ میں دے دوں گا پھر تو جسے چاہے دیجیو۔ بادشاہ کی یہ بات سن کر حاتم نے شہزادہ مہرور کیطرف دیکھا۔ اور مسکرایا۔ اور بادشاہ کے حکم سے موتی کی پیدائش کا حال بیان کرنا شروع کیا۔ اور جو کچھ پرندے سے سنا تھا۔ اول سے آخر تک بیان کر دیا۔ بادشاہ گردن جھکائے سنتا رہا۔ جب حال ختم ہوا۔ تو اٹھ کر حاتم کو گلے لگا لیا۔ اور اس کے بعد محل میں گیا۔ اور موتی لاکر حاتم کے سامنے رکھ دیا۔ اس کے بعد حکم دیا۔ کہ شادی کی تیاری کرو۔ امیر وزیر سب بیاہ کی تیاری میں لگ گئے۔ کئی دن تک اہتمام رہا۔ آخر ایک دن مقرر کر کے اپنی بیٹی کو دلہن بنا کر ایک مجلس آراستہ کی۔ اور اُسے وہیں بلوایا۔ جب دلہن سہیلیوں کے جھرمٹ میں گھری ہوئی بجی بجائی شرماتی لجاتی مجلس میں داخل ہوئی۔ تو حاتم اسے دیکھتے ہی بولا اے شہنشاہ! یہ میری بہن ہے۔ میں آپ کی اجازت اور اپنی خوشی سے اس کا ہاتھ شہزادہ مہرور کے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے لائق ہیں۔ بادشاہ ماہ یار سلیمانی یہ بات سن کر بہت خوش ہوا۔ کہ اس کی بیٹی کی شادی ایک پری زاد سے ہوگی۔ اسی وقت اپنے دستور اور رسموں کے مطابق دونوں کی شادی کر دی۔ حاتم کی بدولت شہزادہ مہرور اپنی مراد کو پہنچا۔ چند روز تک حاتم اور شہزادہ مہرور ماہ یار سلیمانی کے مہمان رہے۔ پھر اس سے اجازت لے کر رخصت ہوئے۔ اور دریائے قہرمان کے کنارے آئے۔ حاتم نے یہاں پہنچ کر مہرور سے کہا۔ بھائی! اب تم اپنے ملک کو سدھارو۔ مہرور نے کہا۔ بھائی! کیسی باتیں کرتے ہو۔ تم نے تو میرے ساتھ یہ کیا۔ اور میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر چلا جاؤں؟ بھلا یہ کہاں کی انسانیت ہے۔ میں تمہیں شاہ شمس کے پاس پہنچائے بغیر گھر نہ جاؤں گا۔ یہ کہا۔ اور اپنے لشکر کو شہزادی سمیت اپنے ملک کیطرف روانہ کیا۔ اور وہ دونوں ہوا کے گھوڑوں پر سوار ہو کر شمس شاہ کے ملک کیطرف چلے۔ چند دن میں دریائے قہرمان کو پار کیا۔ پھر دیووں کی سرحد اسطرح طے کی۔ جیسے پہلے طے کی تھی۔ اور چند دن میں شمس شاہ کی سرحد میں جا پہنچے۔

سرحد میں داخل ہوتے ہی شمس شاہ کے مخبروں نے اُسے خبر دی۔ کہ حاتم اور مہرور اپنے سفر سے لوٹ آئے ہیں۔ اور اب بادشاہ کی ملاقات کو آرہے ہیں۔ شمس شاہ یہ خبر سن کر بہت خوش ہوا۔ اور اپنے لشکر سمیت ان کے استقبال کو چلا۔ کچھ دور جا کر حاتم اور مہرور سے ملاقات ہوئی شمس شاہ نے دوڑ کر حاتم کو گلے سے لگا لیا۔ اور پھر پوچھا۔ کہ یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ حاتم نے شمس شاہ اور مہرور کی ملاقات کرائی۔ اور اسکی مہربانیوں کا حال سنایا۔ تو شمس شاہ نے مہرور سے مخاطب ہو کر کہا۔ تمہارا مجھ پر بڑا احسان ہے۔ کہ تم نے میرے دوست کو مجھ سے ملایا۔ مجھے اُن کی طرف سے بڑی پریشانی تھی۔ اگر تم اُن کا ساتھ نہ دیتے۔ تو ان پر سفر کی مشکلیں ہرگز آسان نہ ہو سکتیں۔

اس کے بعد تینوں دوست ساتھ ساتھ آئے۔ شمس شاہ نے انہیں ایک باغ میں اُتارا۔ اور ان کی خاطر داری میں مصروف ہوا۔ چالیس دن تک انہیں اپنے ساتھ رکھا۔ اور مہمان داری کے جتنے حق تھے۔ پورے کئے۔ اکتالیسویں دن حاتم نے شمس شاہ سے اجازت چاہی۔ شمس شاہ نے کہا۔ جی تو نہیں چاہتا۔ کہ ایسے دوستوں کو جانے دوں۔ لیکن تم دونوں کو اپنے اپنے کام ہیں۔ اس لئے جاؤ۔ تمہارا خدا حافظ۔

یہ کہا اور کچھ پری زاد دونوں کے ساتھ کئے۔ کہ انہیں ان کے گھروں کو پہنچا دیں۔ کچھ پری زاد مہرور کو اڑن کھٹولے پر بٹھا کر اُس کے ملک کیطرف چلے۔ کچھ پری زادوں نے حاتم کو اڑن کھٹولے پر بٹھایا۔ اور شاہ آباد کا رُخ کیا۔ شاہ آباد وہاں سے بہت دُور تھا۔ ایک مہینہ تک چلتے رہے۔ جب کہیں جا کر اُس کی سرحد میں پہنچے۔ حاتم اڑن کھٹولے سے اُترا۔ پری زادوں کو اپنے خیریت سے پہنچنے کی رسید لکھ دی۔ اور انہیں رخصت کر کے خود شہر میں داخل ہوا۔ حسن بانو کو اطلاع ہوئی۔ کہ حاتم صحیح سلامت سفر سے واپس آیا ہے۔ تو اُسے فوراً اندر بلوایا۔ آپ پردے کے پیچھے بیٹھ گئی۔ اور حاتم کو ایک طلائی کرسی پر بٹھا کر اس سے سفر کا حال پوچھنے لگی۔ حاتم نے دونوں موتی نکال کر پیش کر دیئے۔ اور سفر کی ساری سرگذشت بیان کر دی۔ حسن بانو نے حاتم کی ہمت پر آفرین کی۔ اور اُسے رخصت کیا۔

حاتم سیدھا سرائے میں آیا۔ منیر شامی سے ملا۔ اور سفر کا سارا حال سنا کر کہا۔ کہ اے دوست! اللہ نے حسن بانو کی چھ باتیں پوری کروا دیں۔ اب خاطر جمع رکھو۔ صرف ایک سوال رہ گیا ہے۔ خدا کی مدد شامل حال ہے۔ تو اُسے بھی جلد پورا کر کے تیرے دل کی مراد تجھے دلواؤں گا۔ منیر شامی اٹھ کر حاتم کے پیروں میں گر پڑا۔ حاتم نے اُسے اٹھا کر گلے لگا لیا۔

اس کے بعد حاتم ہفتہ بھر سرائے میں ٹھہرا۔ جب سفر کی تھکان اچھی طرح دور ہو گئی۔ تو آٹھویں دن پھر حسن بانو کے پاس گیا۔ اس نے حاتم کو اندر بلا کر مرصع کرسی پر بٹھا دیا۔ حاتم نے کہا۔ اے شہزادی! اب بتاؤ تمہارا ساتواں سوال کیا ہے؟؟ حسن بانو بولی اے حاتم۔ سُنا ہے۔ کہ ایک حمام ہے۔ جس کا نام حمام بادگرد ہے۔ میں نے سنا ہے۔ کہ وہ چکی کیطرح گھومتا رہتا ہے۔ مجھے اس کا حال معلوم کرنا ہے۔ کہ جب وہ اسی طرح چکر کھاتا رہتا ہے۔

تو لوگ وہاں نہاتے کیسے ہیں! حاتم نے پوچھا۔ کہ کچھ یہ تو بتایئے۔ کہ وہ حمام یہاں سے کس طرف کو ہے۔ حسن بانو بولی۔ سنا ہے۔ کہ وہ جنوب مغرب کے کونے میں ہے۔ اس سے زیادہ اور کچھ معلوم نہیں۔

یہ بات سن کر حاتم حسن بانو سے رُخصت ہوا۔ سرائے میں آیا۔ اور مُنیر شامی سے مل کر اس کی تسلی تشفی کی۔ اور اللہ کا نام لے کر شہر سے نکل گیا۔

حاتم کا جانا اور حمام بادگرد کی خبر لانا

شہر سے نکل کر حاتم جنگل میں پہنچا۔ اور اللہ کا نام لے کر ایک طرف کو چل دیا۔ کئی دن چلنے کے بعد ایک شہر آیا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک کنوئیں کے گرد بہت سے مرد اور عورتیں جمع ہیں۔ حاتم نے ایک آدمی سے پوچھا۔ اے عزیز یہ کیا معاملہ ہے۔ اور اتنے لوگ یہاں کیوں جمع ہیں۔ اس نے جواب دیا۔ اے نوجوان! اس شہر کے حاکم کا لڑکا مدتیں ہوئی دیوانہ ہو کر اس کنوئیں پر آ بیٹھا تھا۔ کہیں آتا جاتا نہ تھا۔ تین چار دن ہوئے۔ اس کنوئیں میں کود پڑا۔ ہم نے کانٹے اور رسیاں ڈال ڈال کر بہت ڈھونڈا۔ لیکن اس کی لاش تک کا پتا نہ چلا۔ ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں۔ کہ ایک مرد اور ایک عورت کپڑے پھاڑے سر پر خاک ڈالے کنوئیں پر آ پہنچے۔ حاتم سمجھ گیا۔ کہ یہی اس نوجوان کے ماں باپ ہیں۔ جو کنوئیں میں کودا ہے۔ وہ دونوں اس درد سے چیخ چیخ کر رو رہے تھے۔ کہ مجمع کے سب لوگ اس کے ساتھ رونے لگے۔

حاتم کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر آئے۔ اس نے آگے بڑھ کر دونوں کو تسلی دینی چاہی۔ اور کہا۔ کہ اے بزرگو! اس طرح رو رو کر اپنا خون نہ کرو۔ اگر تمہارا بیٹا مر گیا ہے۔ تو سمجھو کہ یہی اللہ کی مرضی تھی۔ اب اس کی مرضی کے آگے سر جھکانے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ وہ دونوں کہنے لگے۔ کہ اے نوجوان! جو کچھ تو کہتا ہے۔ ہم بھی جانتے ہیں۔ پر کیا کریں؟ یہ ظالم دل نہیں مانتا۔ پھٹا جاتا ہے۔ ہم نے رو دھو کر اپنے چاند کو تو صبر کر لیا۔ پر جی یہ چاہتا ہے کہ اس کی لاش ہی مل جاتی۔ تو اُسے دیکھ کر جی کی آگ بجھاتے۔ اس کی قبر بناتے۔ اور ساری زندگی اُسے اس کی نشانی سمجھ کر مجاوری کرتے۔ پر ہماری قسمت میں شاید یہ بھی نہیں۔ اُس کی لاش بھی نہ ملی۔ اب آج یہی سوچا ہے۔ کہ ہم دونوں بھی کنوئیں میں کود پڑیں۔ اور اس طرح جی کی آگ کو ٹھنڈا کریں۔ یہ کہا۔ اور پھر دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ حاتم کہنے لگا۔ اے خدا کے بندو! تمہارا رونا مجھ سے نہیں دیکھا جاتا۔ خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔ میں تمہاری جگہ کنوئیں میں کودتا ہوں۔ یا تو تمہارے بیٹے کی لاش ڈھونڈ کر لاؤں گا۔ یا خود بھی کام آؤں گا۔ اور سمجھوں گا کہ یہ جان اللہ کی راہ میں کام آئی۔ حاتم کی یہ بات سن کر ان کی جان میں جان آئی۔ اور رونا دھونا بند کر دیا۔ حاتم نے ان سے کہا۔ کہ تم ایک مہینہ تک میری راہ دیکھنا۔ اگر اس وقت تک نہ لوٹوں۔ تو اپنے اپنے کام میں لگ جانا۔

غرض یہ کہا۔ اور کنوئیں میں کود پڑا۔ سب حیرت سے دیکھتے رہے۔ غوطے کھاتا ہوا حاتم نیچے جا پہنچا۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں زمین کی تہ تک جا لگے۔ آنکھیں کھولیں۔ تو کنوئیں کی جگہ ایک میدان وسیع نظر آیا۔ آگے بڑھا۔ تو ایک باغ دکھائی دیا۔ سامنے ہی اس کا دروازہ تھا۔ بے تامل اندر چلا گیا۔ باغ کے رنگ برنگ پھولوں اور پھلوں کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ کہ یہ باغ انسان کا نہیں پری کا ہے۔ آگے بڑھا۔ تو ایک جگہ کچھ پری زاد بیٹھے نظر آئے۔ ان کے بیچ میں ایک نوجوان جو صورت سے آدم زاد معلوم ہوتا تھا۔ مرصع تخت پر بیٹھا اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہا تھا۔ حاتم ایک درخت کی آڑ میں چھپ رہا لیکن پریوں نے اُسے دیکھ لیا۔ اور چیخیں مار کر بھاگیں۔ تھوڑی دیر میں اُن میں سے ایک آئی۔ اور کہا۔ کہ ہماری ملکہ تمہیں بلاتی ہے۔ حاتم نے کہا۔ چلو۔ اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ جا کر دیکھا۔ کہ مُرصع تخت پر اس نوجوان کے ساتھ ایک پری بھی بیٹھی ہے۔ دونوں کے چہروں سے مسرت وشادمانی ظاہر ہے۔ نوجوان نے حاتم کو دیکھا۔ تو اٹھ کر اُسے گلے لگا لیا۔ اور کہا۔ اے عزیز! مجھے اس پرستان میں آئے چار دن ہوئے ہیں۔ یہاں مجھے ہر طرح کا عیش و آرام ہے۔ لیکن آدمی کی صورت کو جی ترستا تھا۔ سو خدا نے تجھے بھیج دیا۔

حاتم سمجھ گیا۔ کہ یہ نوجوان وہی ہے۔ جس کے ماں باپ کا حال وہ ابھی دیکھ کر آیا ہے۔ اس سے اپنی بولی میں کہنے لگا۔

اے نوجوان! تجھے تیرا عیش مبارک! لیکن ایسے عیش پر ہزار بار لعنت۔ کہ تو یہاں خوش ہو۔ اور تیرے ماں باپ رو رو کر جان دیں۔ وہ بولا۔ اے عزیز! تو نے ٹھیک کہا۔ پر دل پر قابو نہیں۔ یہ پری جو میرے پاس بیٹھی ہے۔ اور مجھ پر اتنی مہربان ہے اس کے بغیر میں ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتا۔ اسی کی محبت میں دیوانہ ہو کر کنوئیں پر آ بیٹھا تھا۔ اور اسی کے اشارہ پر چار دن ہوئے یہاں آیا ہوں۔ اب یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا۔

حاتم بولا۔ اولاد کا حق ماں باپ پر اتنا بڑا ہے۔ کہ اُس کے لئے ساری دنیا کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ اور تجھے ایسی باتیں کرتے شرم نہیں آتی۔ اگر تو ہمیشہ کے لئے یہاں سے جانا نہیں چاہتا۔ تو کم سے کم یہی کر۔ کہ تھوڑی دیر کو جا کر ماں باپ کو اپنی صُورت دکھا دے۔ تاکہ انہیں اطمینان ہو۔ کہ تو مرا نہیں جیتا ہے۔ نوجوان کہنے لگا۔ کہ میں پری کی اجازت اور مرضی کے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جا سکتا۔ حاتم نے کہا۔ اگر ایسا ہے۔ تو میں پری کو راضی کرتا ہوں۔

یہ کہہ کر پری سے اسی کی زبان میں باتیں کیں۔ اور ماں باپ کا حال کہہ کر اُسے اس بات پر راضی کر لیا۔ کہ وہ نوجوان کو چند دن کے لئے اس کے گھر جانے دے۔ پری نے دو پریوں سے کہا۔ کہ دونوں آدم زادوں کو جا کر اوپر پہنچا آؤ۔ پریاں آنکھ جھپکاتے دونوں کو جا کر کنوئیں کی جگت پر بٹھا آئیں۔ شہر کے لوگ جو حاتم کے انتظار میں کنوئیں کے آس پاس بیٹھے تھے۔ دونوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ماں باپ نے دوڑ کر بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ اور اس کے بعد حاتم کے پیر پکڑ لئے۔ حاتم کہنے لگا۔ اے بزرگ! مجھے کیوں شرمندہ کرتے ہو۔ میں نے جو کچھ کیا۔ اِنسانیت کا تقاضا یہی تھا۔ اُس دن سارے شہر میں خوشیاں منائی گئیں چراغاں کیا گیا۔ غریبوں اور مسکینوں کو کھانا تقسیم کیا گیا۔ کئی دن تک یوں ہی دن عید اور رات شب برات تھی۔ حاتم بھی ان کی خوشی میں برابر شریک رہا۔ اور آخر ہنسی خوشی ان سے رُخصت ہو کر جنگل کی راہ لی۔ کئی دن تک چلتا رہا۔ آخر ایک بستی نظر آئی۔ اس کی شہر پناہ کے قریب پہنچا۔ تو ایک پیر مرد کھڑا تھا۔ جوں ہی حاتم کی نظر اس پر پڑی۔ اُس نے کہا۔ السلام علیکم اے جوان! مرحبا! حاتم نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام اے مرد باصفا!

اِس کے بعد پیر مرد نے کہا۔ کہ اے نوجوان! اگر آج کی رات میرے مہمان رہو تو بڑی مہربانی ہو۔ حاتم راضی ہو گیا۔ پیر مرد اُسے اپنے گھر لے آیا۔ گھر لا کر اس کی پوری طرح خاطر داری کی۔ کھانے کے بعد دونوں بیٹھے تو ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بزرگ نے کہا۔ اے جوان! تیرا نام کیا ہے؟ اور کہاں کا قصد ہے؟ حاتم نے کہا۔ حاتم میرا نام ہے۔ یمن میرا وطن اور اس وقت حمام بادگرد کی خبر لینے گھر سے نکلا ہوں۔ پیر مرد نے یہ سنا تو گردن نیچی کر کے بیٹھ رہا۔ تھوڑی دیر میں گردن اوپر اٹھائی۔ اور کہنے لگا۔ اے عزیز! تیرا کون دشمن ہے۔ جس نے تجھے اس کام پہ آمادہ کیا۔ اِس لئے کہ آج تک اس راہ پر کوئی جیتا نہیں لوٹا۔

حاتم بولا۔ اے بزرگ! مجھے کسی اور نے اس کام پر آمادہ نہیں کیا۔ بلکہ اللہ کی راہ میں یہ مہم اپنے سر پر لی ہے۔ اس کے بعد حسن بانو اور منیر شامی کی محبت اور حسن بانو کے سوالوں کا سارا قصہ سنا کر کہا۔ کہ چھ سوال پورے کر چکا ہوں۔ اب یہ آخری سوال باقی رہ گیا ہے۔ جس طرح بھی ہو گا۔ اسے سرانجام دوں گا۔ اگر کامیاب ہوا۔ تو خیر۔ ورنہ سمجھوں گا کہ اللہ کی راہ میں جان قربان کی۔

بزرگ نے حاتم کی داستان سُنی تو کہنے لگا۔ اے نوجوان۔ تو نے جو کچھ کیا۔ وہ ہر انسان کے لئے فخر کے قابل ہے۔ لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گا۔ کہ ناحق اپنی جان کا دشمن نہ بن۔ ضد سے باز آ۔ اور اپنے گھر لوٹ جا۔ حاتم بولا۔ اگر ایسا کروں۔ تو خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ کہ اپنی جان کے خوف سے نیکی کا راستہ چھوڑ کر گھر بیٹھ رہا۔ بزرگ کہنے لگا۔ معلوم ہوا کہ تو کسی کی نہیں سنے گا۔ اس لئے جا خدا تیری حفاظت کرے۔ لیکن کچھ باتیں میری یاد رکھیو۔ اگر بھول جائے گا تو پچھتائے گا۔ حاتم نے کہا۔ آپ فرمایئے۔ میں بسر و چشم تعمیل کروں گا۔ بزرگ نے کہا۔ کہ آؤ میرے ساتھ۔ دونوں شہر کے باہر گئے۔ بزرگ نے کہا۔ کہ دیکھو۔ یہاں سے داہنی طرف کے رستہ پر ہو لو۔ آگے چل کر بہت سے قصبے اور شہر آئیں گے۔ اسکے بعد ایک پہاڑ ملے گا۔ اس کے نیچے ہزاروں آفتیں اور بلائیں ہیں۔ اگر تو ان سے بچ نکلا۔ تو ایک بہت بڑا صحرا آئے گا۔ اس سے آگے چل کر ایک دوراہا ملے گا۔ یہاں سے بائیں طرف کو جائیو۔ یہ راستہ بڑا پُر فضا اور ہر طرح کے خطرے سے خالی ہے۔ اِس رستے سے تو کچھ عرصہ میں شہر قطان پہنچ جائے گا۔ داہنی طرف کا رستہ چھوٹا ضرور ہے۔ لیکن اس میں بڑی بڑی بلائیں ہیں۔ اس طرف جا کر اپنے آپ کو ہر گز خطروں میں ڈالیو۔

حاتم کو یہ نصیحتیں کر کے پیر مرد تو اپنے گھر لوٹ آیا۔ اور حاتم آگے روانہ ہوا۔ چند دن میں ایک شہر میں پہنچا۔ دُور ہی سے نقاروں کی آواز سنائی دی۔ قریب جا کر دیکھا۔ تو ایک جگہ بہت سے لوگ جمع تھے۔ ڈیرے تنبو لگے ہوئے تھے۔ ہر جگہ فرش فروش سے آراستہ تھی۔ دیگیں کھڑک رہی تھیں۔ اور طرح طرح کے کھانے پک رہے تھے۔ حاتم نے ایک آدمی سے پوچھا۔ کہ اے عزیز! آج یہاں کس کی شادی ہے۔ جو یہ اہتمام کیا ہے وہ بولا۔ اے مسافر! شادی تو کسی کی بھی نہیں۔ لیکن یہاں سال میں ایک دن شہر کے سب غریب امیر بلکہ بادشاہ وزیر تک اپنی اپنی لڑکیوں کو دلہن بنا کر ان خیموں میں لا کر بٹھا دیتے ہیں۔ شام کے وقت ایک اژدھا جنگل کی طرف سے آتا ہے۔ یہاں آ کر لوٹ پوٹ کر ایک خوبصورت جوان کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ پھر ایک ایک کر کے سب خیموں میں جاتا ہے۔ سب لڑکیوں کو دیکھتا ہے۔ جو لڑکی اُسے پسند آتی ہے۔ اس سے شادی کر لیتا ہے۔ اور اپنے ساتھ لے جاتا ہے۔

حاتم نے یہ باتیں سُنیں تو سمجھ گیا۔ کہ یہ حرکت کسی جن کی ہے۔ اُس آدمی سے کہنے لگا۔ اے عزیز! یہ بات تو بڑی بے حیائی کی ہے۔ کہ تم یوں کسی کو اپنی لڑکیاں دیتے ہو۔ اور اس بات پر خوشیاں مناتے ہو۔ وہ آدمی بولا۔ اے نوجوان! کیا کریں مجبور ہیں۔ اگر ایسا نہ کریں۔ تو وہ اژدھا ہم پر نہ جانے کیا آفت لائے۔

حاتم بولا۔ اچھا تم مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چلو۔

وہ اُسے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ! اگر تو کہے تو اس بلا کو ٹالنے کی تدبیر کروں۔ بادشاہ بولا۔

اے نوجوان! نیکی اور پوچھ پوچھ۔ اگر تو کسی طرح اس بلا کو ہمارے سر سے ٹال دے۔ تو زندگی بھر تیرے غلام رہیں گے۔ حاتم نے کہا۔ اچھا تو جو میں کہوں۔ اس پر عمل کیجئے۔ بادشاہ بولا۔ بسر و چشم۔ حاتم نے کہا۔ جب وہ اژدھا آئے۔ اور لڑکی کو پسند کر کے لے جانے لگے۔ تو تم اس سے کہنا۔ ہمیں لڑکی دینے میں کوئی عذر نہیں۔ لیکن ہمارا ایک سردار جو دنوں سے باہر گیا ہوا تھا۔ اب لوٹ کر آیا ہے۔ ہم اس کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ یہ بات سُن کر کہے گا۔ کہ تمہارا سردار کہاں ہے۔ چلو مجھے اس کے پاس لے چلو۔ اس وقت تم اُسے میرے پاس لے آنا۔ بادشاہ نے کہا۔ خاطر جمع رکھو۔ ایسا ہی ہوگا۔

غرض شام ہوئی۔ تو اُس اژدھا کی آمد کا غُل ہوا۔ حاتم ایک جگہ چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ دیکھا۔ کہ ایک اژدھا آسمان سے سر لگائے آگے بڑھتا چلا آتا ہے۔ جو پتھر اور درخت اس کے سینے کے نیچے آتا ہے۔ پِس کر سُرمہ ہو جاتا ہے۔ حاتم نے اُسے دیکھا۔ تو خدا سے پناہ مانگی۔ اور بیٹھ کر دیکھنے لگا۔ کہ دیکھوں۔ اللہ کیا دکھاتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے وہ سانپ لوٹ پوٹ کر ایک خوبصورت جوان بن گیا۔ پھر ایک ایک کر کے سب خیموں میں گیا۔ اور آخر بادشاہ کی لڑکی کو شادی کے لئے پسند کیا۔ جب لڑکی کو لے کر چلنے لگا۔ تو بادشاہ نے وہی بات کہی۔ جو حاتم نے سکھائی تھی۔ وہ بولا۔ کہ مجھے اپنے سردار کے پاس لے چلو۔

لوگ اُسے حاتم کے سامنے لے آئے۔ وہ حاتم کو دیکھتے ہی کہنے لگا۔ اے نوجوان! تو کون ہے۔ جو میرے فرمانبرداروں کو گمراہ کرتا ہے۔ حاتم نے کہا۔ میں ان کا سردار ہوں۔ انہیں گمراہ ہر گز نہیں کرتا۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے ملک کی جو رسمیں باپ دادا کے وقت سے چلی آتی ہیں۔ انہیں پورا کر دے۔ پھر شوق سے جس لڑکی سے چاہے شادی کر۔ جن بولا۔ مجھے کوئی عذر نہیں۔ تم اپنی رسمیں بتاؤ۔ میں انہیں پورا کروں گا۔ غرض حاتم نے جن کو ہر طرح پکا کر کے پہلے تو وہ مہرہ گھس کر پلا دیا۔ جو ریچھ کی بیٹی نے اُسے دیا تھا۔ اس کے پیتے ہی جن سارا جنی علم بھول گیا۔ اس کے بعد حاتم نے ایک بڑا مٹکا منگا کر کہا۔ تم اس میں بیٹھ جاؤ۔ ہم اس کا منہ باندھ دیں گے۔ تم صحیح سلامت باہر نکل آؤ گے۔ تو اپنی لڑکی تم سے بیاہ دیں گے۔ جن بولا۔ کہ مجھے منظور ہے۔

یہ کہا۔ اور مٹکے میں آ گیا۔ حاتم نے مٹکے کا منہ بند کر کے اسم اعظم پڑھ کر پھونک دیا۔ ڈھکن پہاڑ سے زیادہ بھاری ہو گیا۔ جن نے ہزار کوشش کی۔ باہر نہ نکل سکا۔ حاتم نے کئی سو من لکڑیاں جلوا کر وہ مٹکا اُن میں رکھوا دیا۔ اور جن دیکھتے دیکھتے جل کر راکھ ہو گیا۔ حاتم نے بادشاہ سے کہا۔ لیجئے مبارک ہو۔ آپ کا دشمن جل کر راکھ ہوا۔

بادشاہ دوڑ کر حاتم کے قدموں پر گر پڑا۔ حاتم نے اُسے اٹھا کر گلے لگایا۔ بادشاہ نے کئی کشتیاں اشرفیوں اور جواہرات کی لا کر حاتم کے سامنے رکھیں۔ حاتم نے کہا۔ اے بادشاہ! اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ ہے۔ یہ روپیہ پیسہ محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کر دو۔ بادشاہ نے بلوا کر سب محتاجوں میں تقسیم کر دیا۔ حاتم کو تین دن مہمان رکھا۔ چوتھے دن رُخصت ہو کر آگے چلا۔ کئی دن کے بعد وہ پہاڑ آ گیا۔ جس کا ذکر پیر مرد نے کیا تھا۔ اس پر چڑھ گیا۔ اور اُس سے اُتر کر ایک جنگل میں پہنچا۔ یہاں ایسے ایسے درخت پھلوں اور پھولوں کے نظر آئے۔ کہ اس سے پہلے نہ دیکھے تھے۔ خوب توڑ توڑ کر کھائے۔ کئی دن کے بعد دوراہا مل گیا۔ جہاں سے اُسے بائیں طرف کے راستہ پر جانا تھا۔ حاتم کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔ پہلے تو پیر مرد کی نصیحت یاد آئی۔ پھر سوچا کہ پاس کا راستہ چھوڑ کر دُور کے راستہ سے جانا کون سی عقلمندی ہے۔ چلو داہنی طرف چلیں۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔

یہ سوچ کر داہنی طرف کے راستہ پر ہو لیا۔ ابھی تھوڑی ہی دُور گیا تھا۔ کہ ببول کے کانٹوں کا ایک جنگل ملا۔ بڑی دقت سے تھوڑا سا راستہ طے کیا۔ کپڑے پھٹ پھٹ کر تار تار اور پیر لہو لہان ہو گئے۔ پھر بھی ہمت کر کے چلتا رہا۔ آخر کئی دن میں اس جنگل کو طے کیا۔ باہر نکلا تو پاؤں سوجے ہوئے تھے۔ ایک جگہ بے دم ہو کر گر پڑا۔ اپنے دل میں پچھتاتا تھا۔ کہ کیوں نہ میں نے پیر مرد کی بات مانی۔ اور اس مصیبت میں پھنسا۔ لیکن لوٹنا بھی مشکل تھا۔ اس لئے آہستہ آہستہ آگے چلا۔ تھوڑی دور جا کر ایک جنگل آیا۔ جس میں ہر طرف چھپکلیاں ہی چھپکلیاں تھیں۔ وہ آدمی کی بُو پاتے ہی اس طرف دوڑیں۔ حاتم نے دیکھا۔ کہ اُن میں سے ہزاروں کا قد چیتے بھیڑیئے۔ گیدڑ اور لومڑی کے برابر تھا۔ حاتم ڈر سے

کانپنے لگا۔ اور سمجھ گیا۔ کہ یہ ذرا سی دیر میں مجھے تکا بوٹی کر دیں گی۔ اس نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ آنکھیں کھول کر دیکھا۔ تو ایک بزرگ نورانی صورت پاس کھڑے ہیں۔ حاتم سے کہنے لگے۔ اے حاتم! تو نے بڑوں کا کہنا نہ مانا۔ اور ناحق مصیبت میں پڑا۔ حاتم نے کہا۔ بے شک مجھ سے غلطی ہوئی۔ سخت شرمندہ ہوں۔ بزرگ بولے۔ اچھا تو دیر نہ کر۔ جلدی سے وہ مہرہ نکال کر زمین پر ڈال دے۔ اور اللہ کی قدرت کا تماشا دیکھ۔ حاتم نے ایسا ہی کیا۔ مہرہ کے زمین پر گرتے ہی زمین کا رنگ پہلے زرد ہوا۔ پھر کالا۔ پھر سبز۔ اور پھر سُرخ۔ اتنے میں وہ چھپکلیاں آپس میں لڑنے لگیں۔ اور لڑتے لڑتے تین دن کے اندر خود ہی ختم ہو گئیں۔ حاتم نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اور وہ مہرہ اٹھا کر پھر آگے بڑھا۔ کچھ دُور بعد ایک جنگل آیا۔ اُس کی زمین پر جو ذرے پڑے تھے۔ اُن کی تاثیر یہ تھی۔ کہ وہ پاؤں کو چھید چھید کر اُن میں گہرے گہرے زخم بنا دیتے تھے۔ حاتم اپنے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر جوتوں کے اندر رکھتا۔ پھر بھی کچھ اثر نہ ہوتا۔ حاتم کے پیر چھد چھد کر زخمی ہو گئے۔ وہ اپنے پیروں کو دیکھتا۔ اور اپنے آپ کو بُرا بھلا کہتا۔ کہ بڑوں کی نصیحت نہ ماننے کا یہ انجام ہوا۔ آخر ہزار مشکل سے اس جنگل کو طے کیا۔ اور ایک جگہ بیٹھ کر اپنے پاؤں کے زخم دھوئے اور آگے چلا۔ لنگڑاتا ہوا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ بچھوؤں کا جنگل آگیا۔ بچھو آدمی کی بُو پاتے ہی اس کی طرف دوڑے۔ ایک ایک بچھو کا قد بلّی کے برابر تھا۔ حاتم کی نظر جو ان پر پڑی۔ سہم کر رہ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں وہ بزرگ پھر نظر آئے۔ اور حاتم نے ان کے کہنے سے مہرہ زمین پر ڈال دیا۔ پہلے کیطرح اس دفعہ بھی زمین پہلے زرد ہوئی۔ پھر سیاہ۔ پھر سبز اور پھر سُرخ۔ اور اس کے سُرخ ہوتے ہی بچھوؤں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ ایک کے ڈنگ سے دوسرے کا جسم پھٹ گیا۔ اور اس طرح لڑتے لڑتے تین دن میں ختم ہو گئے۔ چوتھے دن حاتم نے وہ مہرہ اُٹھایا۔ شکر کا دوگانہ ادا کیا۔ اور روانہ ہوا۔

چند دن میں ایک شہر نظر آیا۔ حاتم اندر داخل ہوا تو لوگ حیرت سے اُسے دیکھ دیکھ کر پُوچھنے لگے۔ کہ اے جوان! تو کس راہ سے آیا۔ حاتم نے کہا۔ داہنی طرف سے۔ اس پر وہ اور بھی حیران ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ تو ان جنگلوں سے صحیح سلامت کس طرح گزرا۔ حاتم بولا۔ اللہ کی مدد شامل حال تھی۔ اس لئے میرا سفر بھی آسان ہوا۔ اور ساری چھپکلیاں اور بچھو بھی ٹھکانے لگے۔ اب راستہ میں سوائے ببول کے کانٹوں اور زہریلے ذرّوں کے اور کوئی خطرہ باقی نہیں۔ اس شہر میں جتنے سوداگر ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہ سب بائیں طرف کے راستے سے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ حاتم کی بات سُنی تو اسی راستہ سے چلنے پر تیار ہوئے بلکہ مال و اسباب لے کر چل بھی پڑے۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی۔ کہ سوداگروں کا کارواں ایک اجنبی کے کہنے سے خطرے کے راستہ پر چل پڑا ہے۔ اس نے فوراً کچھ ہرکاروں کو بھیجا۔ کہ اصل بات کی تحقیق کر کے آئیں۔ اور جب تک سچ بات نہ معلوم ہو جائے۔ اجنبی کو کہیں جانے نہ دیں۔ اگر اس نے یہ خبر جھوٹی اڑائی ہے۔ تو اسے سُولی پر چڑھاؤں گا۔

غرض بادشاہ کے ہرکارے سوداگروں کے قافلہ کے پیچھے پیچھے گئے۔ اور خبر لائے۔ کہ جو کچھ حاتم نے کہا ہے۔ ٹھیک ہے۔ تو بادشاہ بہت خوش ہوا۔ کہ اب اس راستے کے صاف ہونے سے تجارت بھی ترقی کرے گی۔ اور شہر کی آبادی اور رونق بھی بڑھے گی۔ فوراً ہر طرف اشتہار بھجوا دیئے۔ کہ اب فلاں راستہ خطروں سے پاک ہو گیا ہے۔ جس کا جی چاہے ادھر سے آئے جائے۔ اِس کے بعد حاتم کو بلا کر اس کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا۔ اور اُسے بہت سا انعام و اکرام دیا۔ حاتم نے کہا۔ خدا کا شکر ہے۔ میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ موجود ہے آپ یہ انعام و اکرام غریبوں اور محتاجوں میں بانٹ دیجئے۔ مجھ پر تو بس اتنی مہربانی کیجئے۔ کہ ایک رہبر میرے ساتھ کر دیجئے۔ تاکہ مجھے شہر قطان کا رستہ بتا دے۔ بادشاہ نے دو آدمی حاتم کے ساتھ کر دیئے۔ انھوں نے اُسے شہر قطان کی راہ پر لگا دیا۔ اور چند دنوں میں شہر کی سرحد پر پہنچ گیا۔ شہر میں داخل ہوا۔ سرائے میں اُترا۔ اور ایک دن کچھ قیمتی جواہرات لے کر بادشاہ کی خدمت میں گیا۔ بادشاہ نے ایسے جواہرات زندگی بھر نہ دیکھے تھے۔ دیکھ کر باغ باغ ہو گیا۔ حاتم کو کرسی پر بٹھایا۔ اور اسکا احوال پوچھنے لگا۔ حاتم نے عرض کی۔ جہاں پناہ! میرا پیشہ سوداگری ہے لیکن اب ایک مدت سے دنیا کو ہیچ سمجھ کر سوداگری ترک کی۔ اور سیاحی کو اپنا پیشہ بنایا۔ اس شہر میں آپ کی زیارت کا شوق مجھے لایا ہے۔ بادشاہ نے حاتم کی لچھے دار باتیں سُنیں۔ تو جان و دل سے اُس پر فریفتہ ہوا۔ اور اُس کا سامان کارواں سرائے سے منگا کر اُسے اپنا مہمان بنایا۔ اس روز سے حاتم کا یہ معمول تھا۔ کہ ہر روز دربار میں جاتا طرح طرح کی باتیں کر کے بادشاہ کا جی خوش کرتا۔ دوسرے تیسرے کوئی نہ کوئی قیمتی چیز اس کی نذر کرتا۔ اسی طرح کئی مہینے گذر گئے۔ آخر ایک دن بادشاہ نے کہا۔ اے عزیز! تو اتنے دن سے میرے پاس آتا جاتا ہے۔ مجھے سو طرح کے تحفے دے چکا ہے۔ ہر روز ایک نئی چیز دے کر اور زیادہ شرمندہ کرتا ہے۔ اب میرا جی یہ چاہتا ہے۔ کہ تو مجھ سے بے تکلف کچھ مانگ۔ حاتم نے کہا۔ اے شہنشاہ! میں سیاح ہوں۔ مجھے دنیا کے تکلف سے کیا کام؟ جو کچھ مجھے درکار ہے۔ اللہ نے دیا ہے۔ پھر آپ کو کس چیز کے لئے تکلیف دُوں؟ بادشاہ کہنے لگا۔ اے عزیز! میرا ملک تیرا ہے۔ چاہے تو اِسے لے لے۔ حاتم نے کہا۔ جہاں پناہ! خدا آپ کو ہزاروں برس اس تخت و تاج کا مالک رکھے۔ مجھے اس کی آرزو نہیں۔ بس ایک آرزو دل میں ہے۔ وہ شاید مرتے دم بھی ساتھ لے جاؤں گا۔ بادشاہ نے فرمایا۔ اے عزیز! بھلا بتا تو سہی کہ وہ ایسی کیا آرزو ہے۔ مجھے تیرے آگے اپنی بیٹی تک عزیز نہیں۔ چاہے تو اس سے شادی کر۔ حاتم کہنے لگا۔ اے بزرگ! آپ کی صاحبزادی میری بہن کی جگہ ہے۔ ایسا خیال میرے دل میں بھی نہیں آیا۔ بادشاہ حاتم کی باتیں سن سن کر تھک گیا۔ تو بولا۔ اے عزیز۔ تو اپنی خواہش بیان کر۔ جس طرح بھی ہوگا۔ اُسے پُورا کروں گا۔

غرض حاتم نے حارث شاہ کو ہر طرح پکا کر کے کہا۔ کہ اے بادشاہ حمام بادگرد کے دیکھنے کی تمنا میرے دل میں ہے۔ بادشاہ نے جو یہ بات حاتم سے سُنی۔ تو سر جھکا کر فکر میں ڈوب گیا۔ حاتم نے اُسے اس حالت میں دیکھا۔ تو پُوچھا۔ کہ آپ یہ بات سُن کر اتنے متفکر کیوں ہیں؟ بادشاہ بولا۔ اے عزیز۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی کسی کو وہاں جانے کی اجازت نہ دوں گا۔ اس لئے کہ آج تک جو بھی وہاں گیا زندہ واپس نہیں آیا۔ اب اگر تجھے اجازت دُوں تو میری قسم ٹوٹتی ہے۔ انکار کروں۔ تو عہد شکنی ہوگی۔ پھر تجھ سے اتنی محبت ہو گئی ہے۔ کہ یوں جان بُوجھ کر تجھے موت کے مُنہ میں ڈالنے کو جی نہیں چاہتا۔ تیری جدائی کیسے گوارا ہوگی۔ حاتم نے یہ باتیں سُنیں۔ تو دست بستہ عرض کی۔ اے بادشاہ! میں کسی شرط پر بھی وہاں جانے سے نہیں رُک سکتا۔ اِس کے بعد منیر شامی اور حسن بانو کا سارا حال اوّل تا آخر کہہ سنایا۔ بادشاہ نے اس پر بھی بہت منع کیا۔ لیکن جب حاتم نہ مانا۔ تو حمام بادگرد کے دربان کو ایک خط لکھ کر کچھ آدمی حاتم کے ساتھ کئے۔ حاتم حمام کیطرف روانہ ہوا۔ تو بادشاہ دُور سے کھڑا اُسے دیکھتا اور آنکھوں سے آنسو بہاتا رہا۔

ساتویں دن حاتم اور اُس کے ساتھی حمام کے پھاٹک پر پہنچے۔ بادشاہ کا خط سرکاری دربان کو دیا۔ اُس نے آنکھوں سے لگایا۔ اور سر پر رکھا۔ پھر کھول کر پڑھا۔ تو لکھا تھا کہ جسطرح بھی ہو۔ اس جوان کو واپس بھیج دو۔ حمام کے اندر مت جانے دو۔ دربان نے خط پڑھا۔ اور حاتم کو بہت سمجھایا بجھایا۔ لیکن حاتم نے کہا۔ اے دوست! تو ناحق اپنا وقت ضائع

کرتا ہے۔ میں جب بادشاہ کے کہنے سے باز نہ آیا۔ تو تیرے کہنے سے کس طرح اپنا خیال چھوڑ سکتا ہوں؟ دربان نے دیکھا۔ کہ حاتم کسی طرح باز نہیں آتا۔ تو بادشاہ کو یہ عرضی لکھی۔ اور پوچھا کہ اب کیا کروں؟ جواب آیا۔ کہ شاید اس کی عمر تمام ہو چکی ہے۔ اسے حمام میں جانے دو۔ بادشاہ کا جواب آتے ہی یہ لوگ حاتم کو حمام کے پھاٹک پر لے گئے۔ حاتم نے دیکھا۔ کہ پھاٹک پر جلی حروف میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

> یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کے وقت میں بنا ہے۔ جو کوئی اس طلسمات میں جائے گا۔ جیتا نہ نکلے گا۔ اگر زندگی ہے۔ تو باغ کے میوے کھائے گا اور زندگی کے دن پورے کرے گا۔ ناممکن ہے۔ کہ باہر نکل سکے۔

حاتم نے یہ عبارت پڑھی۔ تو دل میں سوچا۔ کہ حمام کی جو حقیقت دروازے پر لکھی ہے۔ یہی جا کر حسن بانو کو بتا دوں گا۔ یہیں سے لوٹ چلوں۔ لیکن پھر سوچا۔ کہ اگر حسن بانو نے اندر کا حال پوچھا۔ تو کیا جواب دوں گا۔ یہ سوچ کر اندر جانے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگوں کو وہیں رخصت کیا۔ اور آپ آگے بڑھا۔ دس بارہ قدم چل کر پیچھے پھر کر دیکھا۔ تو نہ لوگ نظر آئے۔ اور نہ وہ دروازہ دکھائی دیا۔ ہر طرف ایک لق و دق صحرا تھا۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر پھرنے لگا۔ دیکھا۔ کہ سامنے سے ایک آدمی آ رہا ہے۔ دونوں ایک دوسرے سے قریب آئے۔ تو اُس نے جھک کر حاتم کو سلام کیا۔ اور اپنا آئینہ نکال کر حاتم کو دکھایا۔ اس کے بعد کہنے لگا۔ میں حجام ہوں۔ جو کوئی یہاں آتا ہے۔ حمام میں لے جا کر اُسے نہلاتا اور انعام کا امیدوار ہوتا ہوں۔ آپ بھی مہربانی فرمائیے۔ اور چل کر حمام کیجیے۔ حاتم نے سوچا۔ کہ چل کر نہاؤں۔ جی میں تازگی آئے گی۔ نائی سے کہا۔ چلو۔

القصہ۔ نائی آگے آگے اور حاتم اُس سے دو قدم پیچھے چلے جاتے تھے کہ دو تین کوس چل کر ایک گنبد نظر آیا۔ جو آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ حجام اس گنبد میں داخل ہوا۔ حاتم بھی اسکے پیچھے گیا۔ جونہی اندر داخل ہوا۔ دروازہ بند ہو گیا۔ حجام حاتم کو حوض پر لے گیا۔ اسے ایک بہت صاف ستھری لنگی دی۔ حاتم نے کپڑے اُتار کر لنگی باندھی۔ اور نہانا شروع کیا۔ ابھی سر پر پانی کے تین لوٹے ڈالے تھے۔ کہ ایک تڑاخ کی آواز آئی۔ آواز کے ساتھ ہی نہ وہ حجام وہاں تھا، نہ حوض۔ بس ایک میدان تھا۔ جو ہر طرف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ پانی کے بیچ میں ایک گنبد بنا ہوا تھا۔ حاتم حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ بات کی بات میں پانی اس کی پنڈلیوں تک پہنچ گیا۔ حاتم نے چاہا۔ کہ بھاگ کر کہیں نکل جاؤں۔ اتنے میں پانی گھٹنوں تک آ گیا۔ فوراً ہی سینہ تک آ گیا۔ اور پھر گردن تک۔ حاتم نے سوچا۔ کہ اب جان بچنی مشکل ہے۔ میں نے ناحق حارث شاہ کی بات نہ مانی۔ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ پانی سر سے اوپر جانے لگا۔ حاتم کو تیرنا آتا تھا۔ وہ تیرنے لگا۔ اور دل میں کہا۔ میں ناحق یوں پریشان ہو رہا ہوں۔ خدا نے اگر موت اسی طرح لکھی ہے۔ تو شکر کر کے اُسے قبول کرنا چاہیے۔ اور یہ سب کچھ جو میں نے اختیار کیا۔ وہ اپنے عیش کی خاطر نہیں۔ دوسرے کے لئے کیا ہے۔ اس لئے مر بھی جاؤں گا۔ تو کچھ ہرج نہیں۔ کہ اللہ کی راہ میں مارے جانے سے بہتر اور کوئی موت نہیں۔ حاتم ان خیالوں میں غرق تھا۔ کہ پانی جا کر گنبد سے جا لگا۔ حاتم کے ہاتھ پاؤں شل ہو گئے۔ قریب تھا کہ ڈوب جائے۔ اتنے میں ہاتھ ایک زنجیر پر جا پڑا۔ جو گنبد میں لٹک رہی تھی۔ اُسے پکڑ لیا۔ پکڑتے ہی پھر ایک تڑاخ ہوا۔ فوراً وہ گنبد اور سارا پانی غائب ہو گیا۔ اپنے آپ کو جنگل میں کھڑا پایا۔ خدا کا شکر کیا۔ بالآخر ایک عمارت عالی شان نظر آئی۔ پاس جا کر دیکھا۔ تو ایک پُر فضا باغ تھا۔ دیکھ کر جی باغ باغ ہو گیا۔ کئی دن کا بھوکا تھا۔ پھل توڑ توڑ کر کھانے لگا۔ کوئی سو من کے قریب کھا گیا۔ لیکن پیٹ نہ بھرا۔ حاتم یوں ہی باغ میں پھل کھاتا اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ کہ ایک بارہ دری کے قریب پہنچ گیا۔ وہاں ایک عجیب طرح کا تماشا دیکھا۔ وہاں سینکڑوں آدمی پتھر کی مورت بنے اور ویسی لنگی باندھے جیسی حاتم کو حجام نے دی تھی۔ کھڑے تھے۔ حاتم حیرت سے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔ کہ ایک طرف کو نظر گئی۔ سامنے درخت پر ایک پنجرہ ٹنگا ہوا تھا۔ اِس میں ایک طوطی بند تھی۔ اور اُس کے نیچے پتھر پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

> یہ طلسمات کیومرث بادشاہ کا ہے۔ ایک دن بادشاہ شکار کھیلتا ہوا اِدھر آ نکلا تھا۔ اتفاقاً اُس نے ایک الماس پڑا دیکھا۔ بادشاہ نے اتنا بڑا الماس اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اُس نے سوچا۔ کہ اُسے ایسی جگہ رکھوں۔ جو کسی کے ہاتھ نہ لگے۔ اسی لئے حمام بادگرد کا طلسمات بنایا۔ وہ الماس اس طوطی کو نگلا کر یہاں لٹکا دیا۔ جواہر نگار کرسی پر جو تیر کمان ہے۔ وہ اِس لئے ہے۔ کہ جو کوئی اِس طلسم سے باہر نکلنے کا ارادہ کرے۔ وہ اس طوطی کے سر میں تیر مارے۔ اگر مارے گا۔ تو الماس اُسے مل جائے گا۔ اور یہ سارا طلسم بھی ٹوٹ جائے گا۔

حاتم نے یہ عبارت پڑھی۔ اور پتھر کے آدمیوں کی طرف دیکھا۔ تو سوچا۔ کہ اگر میں اس طلسم سے باہر نہ نکلا۔ تو میرا بھی یہی حال ہو گا۔ جو ان کا ہوا ہے۔ اِس لئے ساری زندگی اِس طلسم میں پھنسے رہنے سے یہی بہتر ہے۔ کہ جلد اِس عذاب سے نجات پاؤں۔ یہ سوچ کر کرسی کے پاس گیا۔ بسم اللہ کر کے تیر کمان اٹھایا نشانہ لگا کر تیر چھوڑ دیا۔ نشانہ خطا گیا۔ طوطی پھڑک کر رہ گئی۔ اور حاتم گھٹنوں تک پتھر کا ہو گیا۔ طوطی نے کہا۔ اے نوجوان! جا یہاں سے چلا جا۔ یہ مکان تیرے قابل نہیں اس آواز کے ساتھ ہی حاتم سو گز پیچھے جا پڑا۔ پاؤں اتنے بوجھل ہو گئے۔ کہ ہلانا مشکل ہو گیا۔ حاتم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ لیکن یہ سوچ کر کہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنے میں کیا لطف ہے۔ ایک تیر اور چلایا۔ اِس دفعہ بھی تیر نشانے پر نہ لگا۔ حاتم کا بدن ناف تک پتھر کا ہو گیا۔ اور وہ طوطی سے سو گز اور پیچھے جا پڑا۔ حاتم اپنی حالت پر آہ سرد بھر کر رونے لگا۔ اور کہا۔ اے حاتم! اب اپنی موت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھی جائیگی۔ اس لئے آنکھوں پر پٹی باندھ کر یہ آخری تیر بھی چھوڑ دے۔ غرض آنکھوں پر پٹی باندھ لی۔ اور اللہ اکبر کہہ کر وہ تیر بھی مار دیا۔ جا کر طوطی کے دل میں لگا۔ وہ مردہ ہو کر گر پڑی۔ زور کی آندھی چلی۔ بجلی کڑکنے لگی۔ ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ اور حاتم بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آیا۔ تو نہ آندھی تھی نہ بجلی۔ نہ باغ نہ حمام۔ نہ کرسی نہ پنجرہ۔ اور نہ طوطی۔ بس وہ الماس سامنے پڑا تارے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ حاتم نے دوڑ کر اُسے اٹھا لیا۔ اور وہیں سجدہ میں گر پڑا۔ سجدے سے اٹھا تو بہت سے آدمی لنگی باندھے سامنے کھڑے تھے۔ وہ حاتم سے اس کا حال پوچھنے لگے حاتم نے سب حال بتایا۔ تو وہ سب کے سب دوڑ کر اس کے قدموں میں گر پڑے اور بولے۔ اے نوجوان! تو نے ہمیں اس عذاب سے نجات دلائی۔ ساری زندگی تیرے غلام رہیں گے۔

یہ بات سن کر حاتم نے کہا۔ اے عزیزو۔ میرا احسان ماننے کی جگہ خدا کی مہربانی کا شکریہ ادا کرو۔ کہ جو کچھ ہوا۔ اُس کے حکم سے ہوا۔ اس کے بعد حاتم نے سوچا۔ کہ اب کسی طرح شہر قطان تک پہنچنے کی تدبیر کرنی چاہیئے۔ یہ سوچ کر سب کو ساتھ لے کر ایک طرف کو چل پڑا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا۔ کہ وہ پھاٹک نظر آیا۔ جس میں سے ہو کر اندر داخل ہوا تھا۔ پھاٹک سے نکلتے ہی بادشاہ کا دربان اور اس کا لشکر دکھائی دیا۔ لشکر کے سردار نے دوڑ کر گلے سے لگا لیا۔ اور پھر سب مل کر شہر قطان کی طرف چلے چند روز میں وہاں پہنچ گئے۔ حارث بادشاہ سے ملاقات ہوئی۔ تو حاتم نے وہ الماس بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ کہ آپ کی نذر ہے۔ لیکن اس کی اجازت دیجئے۔ کہ پہلے حسن بانو کو دکھا دوں۔ پھر آپ کی خدمت میں بھیج دوں۔

بادشاہ بولا۔ اے حاتم! یہ تمہاری محنت کا انعام ہے۔ اِسے اپنے پاس رکھو۔ اس کے بعد حاتم نے ان سب جوانوں کو جو اس کے ساتھ حمام سے آئے تھے۔ بادشاہ

ے کہہ کر ایک ایک گھوڑا۔ اور تھوڑا تھوڑا سا سامان سفر دلوا کر سب کو ان کے گھروں کی طرف رخصت کیا۔ اور آپ بھی دو چار روز وہاں رہ کر شاہ آباد کی طرف چلا۔ کئی مہینے بعد شاہ آباد پہنچا۔ سیدھا حسن بانو کی حویلی میں گیا۔ حسن بانو کو حاتم کے آنے کی اطلاع ملی۔ تو فوراً اندر بلا لیا۔ حاتم نے سفر کی ساری سرگزشت سنا کر وہ الماس حسن بانو کے آگے رکھ دیا۔ حسن بانو نے شرم سے گردن جھکائی۔ اور کہا۔ کہ اب میں آپ کی کنیز ہوں۔ آپ کو اختیار ہے۔ میرے حق میں جو فیصلہ چاہیئے کیجئے۔ حاتم نے کہا۔ حسن بانو تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ سب میں نے منیر شامی کی خاطر کیا ہے۔

غرض اسی وقت منیر شامی کو بلا کر حسن بانو کا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اور آپ اپنے ماں باپ کی قدم بوسی کے لئے یمن کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر سے نکلے دس برس سات مہینے اور نو دن گزرے تھے۔ ماں باپ راہ تکتے تکتے تھک گئے تھے۔ حاتم کے آنے کی خبر سنی۔ تو خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ حاتم محل میں جا کر دونوں کے پیروں پر گر پڑا۔ اسکے بعد جا کر ملکہ زریں پوش سے ملا۔ اور سب مل کر ہنسی خوشی رہنے لگے۔

حاتم کے باپ نے کچھ دن میں دربار عام کیا۔ اور اپنا تخت و تاج حاتم کے سپرد کر کے آپ یادِ خدا میں مصروف ہوا۔ حاتم بھی تخت پر بیٹھ کر خدمتِ خلق میں لگا رہتا۔ کہ اسی میں اس کی سب سے بڑی خوشی تھی۔

طوطا کہانی کیا ہے

طوطا کہانی اصل میں سب سے پہلے فارسی زبان میں لکھی گئی۔ حیدر بخش حیدری نے اس کا ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ اس قدر بامحاورہ اور روزمرہ کی زبان میں کیا گیا ہے کہ قاری ایک بار پڑھنا شروع کرے تو بغیر ختم کئے نہیں رہ سکتا۔ فارسی میں اس کہانی کی تصنیف کا نام طوطی نامہ تھا۔ یہ حقیقت میں ایک کہانی نہیں ہے بلکہ پینتیس کہانیوں کا مجموعہ ہے۔ جو ہر رات توتا اپنے مالک میمون کی بیوی کو اس کی عدم موجودگی میں سناتا ہے۔ اس کہانی کے بارے میں کتاب بعنوان "بارہ انمول کتابیں" میں اس کے مؤلفین شیر محمد اختر اور مرزا ادیب یوں رقمطراز ہیں۔

یہ کہانیاں کس طرح وجود میں آئیں؟ یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ پرانے زمانے میں ایک دولت مند آدمی رہتا تھا جس کا نام احمد سلطان تھا۔ اللہ نے اسے بڑی مدت کے بعد ایک فرزند عطا کیا جس کا نام انہوں نے میمون رکھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو اسکی شادی خجستہ نام کی ایک خوبصورت عورت سے ہو گئی۔ دونوں میاں بیوی خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ میمون کسی بازار میں سے گزر رہا تھا کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا جو پنجرے میں ایک طوطا لئے جا رہا تھا۔ وہ طوطا انسانوں کی طرح باتیں کرتا تھا۔ میمون نے طوطے کے مالک سے اس کی قیمت پوچھی۔ مالک نے اتنی قیمت بتائی کہ میمون حیران رہ گیا۔ طوطے نے سوچا کہ میمون اتنی بڑی قیمت سن کر مجھے خریدے گا نہیں۔ اسلئے بولا۔ جناب آپ مجھے خرید لیں۔ کیونکہ مجھ میں بڑی خوبیاں موجود ہیں۔ میمون اُسے خرید کر گھر لے آیا اور اس خیال سے کہ طوطے کا جی بہلا رہے۔ اس نے ایک مینا بھی خرید لی۔ کچھ مدت بعد میمون سوداگری کی غرض سے باہر چلا گیا۔ اور خجستہ گھر میں اکیلی رہ گئی۔ اُس نے ایک شہزادے کو دیکھا اور اُس پر عاشق ہو گئی۔ شہزادے نے اُسے پیغام بھیجا کہ وہ رات کے وقت اُسے آکر ملے۔ خجستہ نے شام ہوئی تو خوبصورت کپڑے پہنے اور پھر مینا اور طوطے کے پاس گئی اور بولی۔ کیا میں جاؤں؟ مینا نے اُسے روکا خجستہ نے غصے میں آکر اس کی گردن مروڑ ڈالی۔ طوطے نے سوچا یہ عورت میری بھی یہی حالت کرے گی۔ کہنے لگا۔ "پہلے مجھ سے ایک کہانی سُن لو۔ پھر جانا۔" اور طوطے نے کہانی سناتے ہوئے ساری رات گذار دی۔ اس طرح خجستہ ہر شام نئے کپڑے پہن کر طوطے کے پاس اجازت لینے جاتی تھی اور طوطا اُسے روکنے کے لئے ایک نئی کہانی سنا تا رہتا تھا۔ اس طرح پینتیس کہانیاں بن گئیں اس کے بعد میمون گھر آگیا تو طوطے نے اُسے سب کچھ بتا دیا۔

یہ ساری کی ساری کہانیاں ایسی ہیں کہ انہیں ہم نے اپنے بچپن میں بڑے بوڑھوں کی زبانی کسی نہ کسی انداز میں، کسی نہ کسی شکل میں ضرور سنا ہوگا۔ ان کہانیوں کی اصل بہت قدیم ہے اور بقول ڈاکٹر ذاکر حسین ان میں سے اکثر کہانیوں کو آریہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ کچھ کہانیوں کا تانا بانا مشرق وسطیٰ اور برصغیر پاک و ہند میں بُنا گیا۔ حیدر بخش حیدری نے فارسی زبان سے ان کہانیوں کا سلیس اور شگفتہ اردو زبان میں ترجمہ کیا۔ حیدری صاحب کی یہ کتاب آرائش محفل کے بعد ان کی بہترین اور فورٹ ولیم کالج کی نمائندہ کتابوں میں سے ایک کتاب سمجھی جاتی ہے۔

اب ہم آپ کی خدمت میں طوطا کہانی کتاب کی تلخیص پیش کر رہے ہیں۔ تلخیص ہم نے یوں کی ہے کہ کہانیاں ساری کی ساری رکھی ہیں۔ لیکن اُن کے بیان میں اختصار کر دیا ہے۔ تاکہ ادب کے طالب کو حیدر بخش حیدری کے اسلوب بیان، طرز تحریر، فورٹ ولیم کے زمانے کی اردو زبان اور خود اس کتاب یعنی "طوطا کہانی" کے بارے میں مکمل اور جامع معلومات حاصل ہو سکیں۔ اس خیال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے ان کہانیوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ تاکہ ادب کے طالب علم انہیں ایک جگہ پڑھ کر حیدری کی دوسری تصانیف کے مطالعہ کے بعد اپنی ایک واضح اور غیر مبہم رائے قائم کر سکیں۔

پہلا قصہ

میمون کے تولد کا اور خجستہ کے ساتھ بیاہے جانے کا اور خجستہ و شہزادے کے آپس میں عاشق ہونے کا۔

اگلے دولت مندوں میں سے احمد سلطان نام کا ایک شخص بڑا مال دار اور صاحب فوج تھا۔ لاکھ گھوڑے۔ پندرہ سے زنجیر فیل اور نو سو قطار بار برداری کے اونٹوں کی اس کے درِ دولت پر حاضر رہتی تھی۔ پر اس کے لڑکا بالا کوئی نہ تھا۔ کہ گھر اپنے باپ کا روشن کرتا۔

اسی بات کا اس کے دل پہ تھا داغ
نہ رکھتا تھا وہ اپنے گھر کا چراغ

اسی واسطے صبح شام خدمت میں خدا پرستوں کی جاتا اور اُن سے درخواست دُعا کی کرتا۔

غرض تھوڑے دنوں کے بعد خالق زمین و آسمان نے ایک بیٹا خوبصورت مہر چہرہ ماہ جبین اُسے بخشا۔ احمد سلطان اس خوشی سے گل کی مانند کھلا۔ اور نام اس کا میمون رکھا۔ کئی ہزار روپے فقیروں کو بخش کر سجدۂ شکر بجا لایا۔ اور یہ بیت پڑھنے لگا۔

تجھے فضل کرتے نہیں لگتی بار
نہ ہو تجھ سے مایوس اُمیدوار

اور تین مہینے تک شہر کے امیروں۔ وزیروں۔ داناؤں۔ فاضلوں کی ضیافتیں کیں۔ کشتیاں بعضوں کے آگے رکھیں۔ اور اکثر کو خلعتیں بھاری بھاری دیں۔

جس وقت وہ لڑکا سات برس کا ہوا۔ واسطے تربیت کے ایک اُستاد دانا و کامل کو سونپا۔ کتنے ایک دنوں میں الف، ب سے لے کر "گلستان" "انشاء ہرکرن" "مجامع القوانین" "ابوالفضل" "یوسفی" "رقعات جامی" تک پڑھا۔ بلکہ علم عربی کو بھی تحصیل کیا۔ اور قاعدہ نشست و برخاست مجلس بادشاہی کا اور طریقہ عرض معروض کا اُن سے سیکھا۔ سچ یہ ہے کہ بعض فنون میں باپ پر بھی سبقت لے گیا۔

جب باپ نے دیکھا۔ کہ جوان ہوا تب ایک عورت صاحب جمال۔ گل اندام خجستہ نام کے ساتھ بیاہ کر دیا۔ دونوں آپس میں عیش و عشرت کرنے لگے۔ اور کسی وقت جدا نہ ہوتے تھے۔

اتفاقاً میمون ایک دن پالکی پر سوار ہوکر بازار میں سیر کو گیا۔ اور دیکھا کہ ایک شخص اس بازار میں ایک پنجرہ طوطے کا ہاتھ میں لئے کھڑا ہے۔ اس نے طوطے بیچنے والے سے پوچھا۔ کہ اے شخص! اس طوطے کا کیا مول ہے؟ کہہ۔ اُس نے جواب دیا کہ خداوندا! اس کو ہزار ہُن سے کم نہ دوں گا۔ میمون نے کہا۔ کہ خیر معلوم ہوا۔ جو اس ایک مشت پر ہزار ہُن دے کر لے۔ اس کے برابر دوسرا بیوقوف نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک نوالہ بلی کا ہے۔

جب طوطے والا جواب نہ دے سکا۔ اور طوطے نے جانا۔ کہ اگر یہ دولت مند عمدہ مجھے خرید نہ کرے۔ موجب قباحت اور بدنامی کا ہے۔ کیونکہ صحبت بزرگوں کی اور داناؤں کی سبب زیادتیٔ عقل کا ہے۔ اور اس سے میں محروم رہتا ہوں۔ تب جواب دیا۔ اے جوان خوش رو! اگرچہ میں تیری آنکھوں میں فقیر اور ضعیف ہوں لیکن بہ سبب۔ دانائی اور عقل کے۔ عرش پر پر مارتا ہوں۔ اور ہر ایک اہلِ سخن میری خوش گوئی و شیریں زبانی سے حیران ہے۔ بہتر یہی ہے کہ مجھے مول لے۔ اس واسطے کہ ادنیٰ ہنر میرا یہ ہے کہ میں حقیقت ماضی اور استقبال کی حال میں کہہ سکتا ہوں۔ اور کل کی بات آج بتا سکتا ہوں۔ اگر حکم ہو۔ تو ایک بات فائدے کی ہے۔ عرض کروں؟؟ تب اُس نے کہا کہ کیا کہتا ہے؟ کہہ۔ طوطے نے کہا۔ کہ بعد کئی دن کے ایک قافلہ سوداگروں کا اس شہر میں سُنبل خریدنے آوے گا۔ تم ابھی سے تمام شہر کے دوکانداروں سے سنبل خرید کر کے اپنے پاس رکھو۔ جس گھڑی وہ کارواں یہاں آئے گا۔ اور سوائے اس دولت خانے کے اور کسی کے گھر سُنبل کا نام بھی اس شہر میں نہ پاوے گا۔

لاچار ہوکر حضور ہی میں اگر درخواست کرے گا۔ پھر اپنی خاطر خواہ بیچئے گا۔ اس میں فائدہ بہت ہوگا۔

یہ بات طوطے کی اُس کو بہت پسند آئی۔ اور ہزار ہُن اس شخص کو دیکر اس طوطے کو لے اپنے گھر آیا۔ اور سب سُنبل فروشوں کو بلا کر سُنبل کی قیمت پوچھی۔ انہوں نے عرض کی کہ جتنا سنبل ہماری دکانوں میں ہے۔ دس ہزار ہُن اس کی قیمت ہوتی ہے۔ میمون نے اُسی دم دس ہزار ہُن خزانے سے دلوا کر خرید کیا اور ایک مکان میں رکھوا دیا۔ بعد دو تین دن کے کابل کے سوداگر اس شہر میں داخل ہوئے اور تلاش سُنبل کی کرنے لگے۔ جب کہیں نہ پایا تب اس کے پاس آکر سُنبل کو بہ منت و زاری چوگنی قیمت دے کر مول لیا۔ اور اپنے شہر کو گئے۔

تب میمون اس طوطے سے بہت خوش ہوا۔ اور اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھنے لگا۔ اور ایک مینا بھی خرید کر کے اس کے پاس رکھی۔ اس واسطے کہ عالم تنہائی میں وحشت ایسے نہ ہو۔ کہ عقل مندوں نے کہا ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

غرض اس مینا کو بھی طوطے کے پاس رکھا۔ کہ یہ دونوں آپس میں ہم جنس ہیں۔ بہ خوبی خوش رہیں گے۔

اور بعد کئی دن کے خجستہ سے کہا۔ کہ میں سفر خشکی و تری کا کیا چاہتا ہوں۔ تاکہ کئی ایک شہر کی سیر کروں۔ جو تمہیں کام کرنا منظور ہو۔ بے مصلحت ان دونوں کی ہرگز نہ کرنا بلکہ جو یہ کہیں ان کو سچ جاننا۔ اور ان کی فرمانبرداری میں رہا کرنا۔ یہ دو چار باتیں سمجھا بجھا کر آپ کسی شہر کو گیا۔ اور خجستہ کئی مہینے تک اس کی جدائی میں رویا کی اور کھانا سونا دن رات کا چھوڑ دیا۔ غرض طوطا کچھ قصہ کہانی کہہ کر اس کے غمگین دل کو ہر ایک وقت بہلایا کرتا اسی طرح سے چھ مہینے تک بہلا پھسلا کر رکھا۔

القصہ ایک دن وہ نہا دھو کر بناؤ کر کوٹھے پہ چڑھی اور سیر ہر ایک کوچے و بازار کی جھروکے سے کرنے لگی۔

اتنے میں ایک شہزادہ گھوڑے پر سوار آنکھیں اوپر کئے ہوئے گھوڑے کو قدم بہ قدم لئے ہوئے چلا جاتا تھا۔

خجستہ کو دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ اور اُس کا بھی دل اُس پہ آ ہی گیا۔ بے اختیار ہوکر شہزادے نے اسی گھڑی ایک عورت مکارہ کے ہاتھ خفیہ یہ پیغام بھیجا۔ کہ اگر تم ایک رات چار گھڑی کے واسطے میرے گھر آؤ۔ تو اس کے عوض ایک انگوٹھی لاکھ ہُن کی تمہیں دوں۔ اِس بڑھیا نے بھی وہاں ہی جاکر اس سے کہا۔

اے خجستہ! اس شہزادے نے تجھے بلایا ہے۔ اور ایک گھڑی کے واسطے لاکھ ہُن کی انگشتری دیتا ہے۔ اگر تو چلے۔ اور دوستی اُس سے پیدا کرے۔ تو کچھ اس چیز پر موقوف نہیں ہے۔ بلکہ ہمیشہ سلوک کیا کرے گا۔

خجستہ نے پہلے تو اس بات سے بہت سا بُرا مانا اور خفا ہوئی۔ لیکن پھر اس پیر زال کے دام میں آ ہی گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اچھا۔ میری طرف سے اس کی خدمت میں سلام شوق کے بعد یہ کہنا۔ کہ شب کو جس طرح سے جانوں گی۔ اسی طرح تمہارے پاس اپنے تئیں پہنچاؤں گی۔ یہ پیغام وہ مکارہ لے کر اُدھر گئی۔ اور اِدھر رات آئی۔ تب خجستہ نے اپنے تئیں نہایت لباس اور گہنے سے آراستہ کیا۔ اور کرسی پر بیٹھ کر جی میں کہنے لگی۔ کہ مینا سے چل کر یہ بات کہیے۔ اور اس سے رخصت لے کر چلئے۔ کیوں کہ میں بھی عورت ہوں۔ اور وہ بھی اس خلقت میں ہے۔ اغلب ہے۔ کہ وہ میری بات سنے۔ اور رخصت کرے۔ یہ تجویز دل میں ٹھہرایا۔ اور مینا سے جاکر کہا۔ کہ اے مینا! عجب ماجرا ہے۔ اگر تو سنے۔ تو کہوں۔ اُس نے کہا۔ کہ بی بی! کیا کہتی ہو۔ کہو۔ میں بھی اپنے عقل کے موافق عرض کروں گی۔ تب کدبانو کہنے لگی۔ کہ آج میں اپنے کوٹھے پر چڑھ کر جھروکے سے جھانکتی تھی۔ کہ اتنے میں ایک شہزادہ اس رستے سے گزرا۔ اور مجھ پہ عاشق ہوا۔ اس گھڑی اس نے مجھے اپنے گھر پہ بلایا ہے۔ اگر تو کہے تو میں جاؤں۔ اور اس سے ملاقات کروں؟ پھر دو چار گھڑی کے بعد اپنے گھر چلی آؤں۔

یہ بات سنتے ہی مینا نہایت غضب ہوئی۔ اور غوغا کر کے کہنے لگی کہ واہ واہ بی بی! اچھے ڈھنگ نکالتی ہو۔ اور خاصی باتیں سناتی ہو۔ کیا خوب! غیر مرد کے گھر جاؤ گی۔ اور اُس سے دوستی کر کے اپنے شوہر کی حرمت گنواؤ گی۔ یہ بڑا عیب ہے۔ تمہاری قوم کے لوگ کیا کہیں گے؟ اس حرکت سے باز آؤ۔

یہ سنتے ہی خجستہ نے اُسے پنجرے میں سے نکال۔ گردن مروڑ۔ ایک ٹانگ پکڑ اِس زور سے زمین پہ دے پٹکا۔ کہ روح اُس کی آسمان کو پرواز کر گئی۔ اور آپ اِسی طرح سے غصے میں بھری طوطے کے پاس گئی اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! کچھ حقیقت مینا کی دیکھی۔ کہ وہ ابھی کیا تھی۔ اور کیا ہو گئی؟ اس نے کہا۔ کہ جی دیکھی۔ جو خاوند سے بے ادبی کرے گا۔ اس کا یہی حال ہوگا۔ تب خجستہ خوش ہو کر کہنے لگی۔ اے طوطے! بہت دن ہوئے کہ میں نے مرد کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ اور آج ایک بادشاہ زادے نے مجھ کو بہ منت بلوایا ہے۔ اگر تو کہے۔ تو اُس کے پاس رات کے وقت جاؤں۔ اور صبح ہوتے ہوتے اپنی جگہ پر واپس آؤں؟

طوطا اپنے جی میں ڈر کر کہنے لگا۔ کہ اگر میں بھی منع کرتا ہوں۔ یا کچھ اور کہتا ہوں۔ تو ابھی مینا کی طرح سے مارا جاتا ہوں۔ یہ سمجھ کر کہنے لگا۔

کہ اے کدبانو! مینا ناقص عقل تھی۔ اور اکثر یہ خلقت عورتوں کی بیوقوف ہوتی ہے

اسی واسطے شعور مندوں کو لازم ہے۔ کہ اپنا احوال اُن سے نہ کہیں۔ بلکہ اس ذات سے پرہیز کریں۔ تو خاطر جمع رکھ۔ جلدی مت کر۔ جب تک میری جان اس قالب میں ہے۔ تب تک تیرے کام کی پیروی کروں گا۔ اتنا مت گھبرا۔ کریم آسان کرے گا۔ خدانخواستہ یہ بات ظاہر ہوئی۔ اور اُڑتے اُڑتے تیرے شوہر تک پہنچی۔ اور اُس نے آن کر تجھ سے خفگی کی۔ تو میں ایک بات بنا کر تم دونوں کو آپس میں ملا دوں گا۔ جس طرح سے کہ اس طوطے نے فرخ بیگ سوداگر کو اس کی جورو سے ملا دیا تھا۔

طوطے نے کہا کہ کسی شہر میں ایک سوداگر فرخ بیگ نام نہایت مال دار تھا۔ اور ایک طوطا عقل مند اپنے پاس رکھتا تھا۔ اِتفاقاً اِس سوداگر کو سفر درپیش ہوا۔ تب ہر ایک اسباب اپنے گھر کا بی بی سمیت طوطے کے حوالے کیا۔ اور آپ واسطے سوداگری کے کسی ملک میں گیا۔ اور کئی مہینے وہاں کار تجارت میں رہا۔

بعد کئی دِن کے اس کی جورو نے ایک جوان مُغل بچے سے آشنائی کی۔ اور ہمیشہ رات کو اُسے اپنے گھر بلاتی۔ صبح تک اُس کے ساتھ عیش و عشرت کرتی۔ یہ احوال اُن دونوں کا وہ طوطا دیکھتا۔ اور باتیں ان کے اختلاط کی سُنتا۔ لیکن دیکھا اَن دیکھا سُنا اَن سُنا جان کر چُپ رہتا۔

بعد ڈیڑھ برس کے وہ تاجر اپنے گھر آیا۔ اور حقیقت گزری ہوئی اپنے گھر کی اس طوطے سے پُوچھی۔ کہ میرے پیچھے کہو کس کس طرح سے گزری اور کس کس نے کیا کیا کیا؟ اُس نے ہر ایک کا احوال جو ٹھیک ٹھیک تھا۔ سو سب بہ خوبی کہہ دیا۔ اور بی بی کی بات سے آگاہ نہ کیا۔ کیونکہ اگر وہ بھی کہتا۔ تو دونوں میں جُدائی ہوتی۔ یا کسی نہ کسی کی جان جاتی۔

بعد کئی ہفتے کے وہ تاجر یہ ماجرا اور کسی شخص کی زبان سے سن کر اپنی بی بی سے دِق ہوا۔ اور خفگی کرنے لگا۔ کیونکہ ہوش مندوں نے کہا ہے۔ کہ عشق و مشک نہیں چھپتا۔ اور آگ بارود میں پوشیدہ نہیں رہتی۔ وہ سوداگر طوطے کی طرف سے بدظن ہوا۔ اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ افسوس! اِس طوطے نے کچھ بھی اس کے نیک و بد کی بات مجھ سے نہ کہی۔ اور اپنی جورو سے غُصّے ہو کر بہت سی سرزنش کی۔ وہ احمق عورت یہ سمجھی۔ کہ شاید طوطے نے کچھ اس سے میری بات کہی۔ جو اس قدر اِس نے مجھ پر آفت اٹھائی۔ پھر طوطے کو اپنا مخالف سمجھ کر ایک روز آدھی رات کو قابو پا کر اس طوطے کے پر و بال نوچ نوچ کر گھر کے باہر پھینک کر غل مچانے لگی۔ کہ ہے ہے میرے طوطے کو بلّی لے گئی۔ اور جی میں بھی۔ کہ وہ کم بخت مر گیا ہوگا۔ لیکن تھوڑی سی جان اُس میں باقی تھی۔ اوپر سے جو گرا۔ تو صدمہ زیادہ پہنچا۔

بارے بعد ایک ساعت اِس کے بدن میں قدرے قوت و توانائی آئی۔ تب سنبھل کر اُٹھا۔ وہاں ایک گورستان تھا۔ اس میں گیا۔ اور ایک گور کے سوراخ میں رہنے لگا۔ لیکن تمام دِن بھوکا مرتا۔ اور رات کو اِس سوراخ سے نکلتا۔ جو کوئی مسافر کہ اس قبرستان میں وارد ہو کر رات کو کھانا کھاتا۔ اِس کا گرا پڑا ٹکڑا ٹیڑا۔ دانہ دُنکا جو پاتا۔ سو چُنتا اور کھاتا۔ اور پانی پی کر پھر صبح کو اسی سوراخ میں جا بیٹھتا۔ بعد چند روز کے سارے پر اُس کے نکل آئے۔ اور تھوڑا تھوڑا اُڑنے لگا۔ ایسا کہ اُس قبر سے اِس گور پر اور اِس سے اُس قبر پر جا بیٹھتا۔ اور چُگتا پھرتا۔

اِس پر تو یہ گزری۔ اب اُدھر کی سُنو۔ جس شب وہ طوطا گیا۔ اِس کی صبح کو وہ سوداگر اپنے بچھونے پر سے اُٹھ کر اُس کے پنجرے کے پاس آیا۔ اور اُسے دیکھا۔ کہ وہ اس کے اندر نہیں ہے۔ یہ احوال دیکھتے ہی اُس نے اپنی پگڑی زمین پر دے پٹکی اور غل مچانے لگا۔ بلکہ نہایت متردّد ہوا۔ اور اپنی بی بی پر اس قدر غصّے ہوا۔ کہ کچھ کہا نہیں جاتا۔ آخر اسی غم سے خواب و خور بھی چھوڑ دیا۔ اپنی عورت کی باتوں کا ہرگز اعتبار نہ کیا۔ بلکہ اس کو اپنے گھر سے نکال دیا۔

تب اس عورت نے یہ دھیان کیا۔ کہ شوہر نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ اب رہنے والے اس شہر کے مجھے بد کہیں گے۔ مناسب یہی ہے۔ کہ میرے گھر کے قریب جو قبرستان ہے۔ وہاں چلی جاؤں۔ اور کھانا پینا سونا سب چھوڑ دوں۔ یہاں تک کہ مر جاؤں۔

آخر کار ایک قبر میں گئی۔ اور ایک فاقہ کیا جس وقت کہ رات ہوئی۔ اِس طوطے نے قبر کے سوراخ میں سے کہا۔ کہ اے عورت! اپنے سر کے بال ایک اُسترے سے منڈا اور چالیس دن تک بے آب و طعام اِس گورستان میں رہ کہ میں تیری تمام عمر کے گناہ بخشوں۔ تجھ میں اور تیرے شوہر میں دوستی کرا دوں۔ وہ عورت اس آواز کو سُن کر متعجب ہوئی۔ اور اپنے جی میں سمجھی۔ کہ اس قبرستان میں کسی ولی خدا پرست کی قبر ہے۔ البتہ وہ میرا گناہ بخشے گا۔ اور مجھ سے میرے خاوند کو ملا دے گا۔ اِس بھروسے اپنے سر کو منڈوا کر چندے اس قبرستان میں رہی۔

ایک روز طوطا اُس قبرستان سے نکل کر کہنے لگا۔ کہ اے عورت! تو نے بے تقصیر میرے پر اکھیڑے۔ اور مجھے آزار سخت دیئے۔ خوب! جو ہوا۔ سو ہوا۔ میری قسمت میں یہی تھا جو تو نے کیا۔ لیکن میں نے تیرا نمک کھایا ہے۔ اور تیرے خاوند کا خریدا ہوں۔ تو میری بی بی ہے۔ تیری خدمت بہ خوبی کروں گا۔ اور وے باتیں گور کے سوراخ میں سے میں نے ہی تجھ سے کہی تھیں۔ تو یقین کر کہ میں راست گو ہوں۔ چغل خور نہیں۔ کہ عیب تیرا تیرے خاوند سے کہتا۔ اب دیکھ تو سہی۔ میں تیرے شوہر کے گھر جاتا ہوں۔ اور تجھ سے اُس کو ملا دیتا ہوں۔

غرض طوطے نے یہ کہا۔ اور اپنے خاوند کے گھر جا کر موافق قاعدے کے اس کو سلام کیا۔ اور آداب بجا لایا۔ پھر دعائیں دے کر کہنے لگا۔ کہ عمر تیری بڑھے۔ دولت دوچند ہووے۔ اُس نے کہا۔ کہ تو کون ہے؟ جو اس طرح باادب کھڑا دعائیں دیتا ہے۔

پھر آپ ہی پہچان کر کہنے لگا۔ کہ اب تک کہاں تھا؟ اور کس شخص کے گھر مہمان؟ سب احوال اپنا بہ تفصیل کہہ۔ اِس نے عرض کی۔ کہ میں تیرا وہی قدیمی طوطا ہوں۔ مجھے بلّی پنجرے سے لے گئی تھی۔ اُس کے پیٹ میں تھا۔ اس کے آقا نے کہا۔ پھر تو کیوں کر جی اُٹھا؟ اُس نے کہا۔ کہ تم نے بے گناہ اپنی بی بی کو گھر سے بے گھر کیا۔ اور بانہہ پکڑ کر نکال دیا۔

وہ اس سبب سے ایک قبرستان میں گئی۔ اور چالیس روز فاقے سے رہی۔ بے اختیار آہ و زاری کی کہ حق سبحانہ تعالیٰ اس کی فریاد سُن کر مہربان ہوا۔ اور مجھ کو مُردے سے زندہ کر کے کہا۔ کہ اے طوطے! تو اس کے خاوند کے پاس جا۔ اور ان دونوں کو آپس میں ملا دے۔ بلکہ تو اِس کی عصمت پر گواہی دے۔

جب آقا نے یہ احوال دریافت کیا۔ تب خوش ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اور گھوڑے پر سوار ہو۔ اپنی بی بی کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ جانی! میں نے بے تقصیر تجھے ستایا۔ اور دُکھ دیا۔ لیکن اب تو اس بات سے در گزر۔ اور میری خطا معاف کر۔ وہ راضی ہوئی۔ تب اُس کو گھر لے آیا۔ پھر دونوں جورو خاوند ملے جلے رہنے سہنے لگے۔ اور عیش و عشرت کرنے لگے۔

الغرض طوطے نے اُس سوداگر کے طوطے کا قصہ تمام کر کے خجستہ سے کہا۔ کہ اے خجستہ! تو اُٹھ اور جلد شہزادے کے پاس جا۔ تاکہ وعدہ تیرا جھوٹا نہ ہو۔ اگر خدانخواستہ یہ خبر تیرے شوہر تک پہنچے اور وہ تجھ سے خفگی کرے۔ تو میں اِسی سوداگر کے طوطے کی طرح صفائی کروا دوں گا۔ خجستہ اِس سخن سے خوش ہوئی اور قصد کیا۔ کہ شہزادے کے پاس جاوے۔

اِتنے میں صبح صادق کا سفیدا ظاہر ہوا۔ جانا اُس کا موقوف رہا۔ تب یہ قطعہ آسمان کی طرف دیکھ کر پڑھا۔ گریبان مثلِ گُل چاک کیا۔

یہ وہ دل کو اِک جا بٹھاتا نہیں !
کسی کا اُسے وصل بھاتا نہیں !
یہ ہے دشمن وصل دِل سوز ہجر
کرے ہے شب وصل کو روز ہجر

ازبس کہ خجستہ تمام رات قصّہ سُننے کے واسطے جاگی تھی۔ سونے کے لئے گئی۔ اور جاتے ہی بچھونے پر سو گئی۔

دوسری کہانی

یہ ہے کہ ایک پاسبان نے بادشاہ طبرستان سے وفاداری کی۔ اور اُس نے اُسے خدمت والے عہدک سے ملک۔

جب سُورج چُھپا اور چاند نکلا۔ تب خجستہ اپنے بچھونے پر سے اُٹھ ہاتھ منہ دھو کر بیٹھی۔ خوان کھانے اور میووں کے منگائے۔ کچھ تناول کیا۔ پھر پوشاک مکلف اور جواہر قیمتی سے اپنے تئیں آراستہ کر کے پیچ کی بنی بن۔ دو پہری بیکر خواصوں کو ساتھ لے خشاس و بشاش طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! اگر تو اپنی مہربانی سے رُخصت کرے۔ تو میں اُس کے پاس جاؤں۔ اور آرزو اپنے دِل کی نکالوں۔ طوطا کہنے لگا۔ کہ اے کدبانو! تو خوش ہو۔ اور اندیشہ مت کر۔ کہ میں تیرے کام کی سعی و جستجو میں لگ رہا ہوں۔ قریب ہے کہ تجھے تیرے یار کے پاس پہنچاؤں۔

لیکن تجھے لازم ہے۔ کہ تو بھی دوستی و محبت اپنے جی میں رکھے۔ جس طرح سے کہ ایک پاسبان نے بادشاہ طبرستان کی عقیدت اپنے دِل میں رکھی۔ اور اس کے عوض دولت بے شمار پائی۔ خجستہ نے پوچھا۔ کہ اس کی نقل کیوں کر ہے؟ مفصل بیان کر طوطا کہنے لگا۔ کہ عقل مندوں نے اور اگلے زمانے کے بزرگوں نے کہا ہے۔ کہ ایک دن بادشاہ طبرستان نے مجلس عیش برابر بہشت کے آراستہ کی۔ کھانے اچھے لذیذ اور شرابیں پُر کیفیت کباب قسم قسم کے اِس محفل میں مہیا کئے۔ شہزادے۔ وزیر۔ امیر۔ حکیم۔ استاد بلکہ جتنے صاحب کمال اِس شہر کے تھے۔ حاضر ہوئے۔ کھانے انہوں نے کھائے اور شرابیں پیں۔ کہ اتنے میں ایک شخص اجنبی اس محفل بادشاہی میں بے دھڑک چلا آیا۔ تب ہر ایک اہل بزم نے پوچھا۔ کہ اے مرد بے گانہ۔ تو کون ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے۔ اس نے کہا۔ کہ میں شمشیر زن اور شیر گیر ہوں۔ اور تیر اندازی بھی ایسی جانتا ہوں۔ کہ تیر میرا سنگ خارا کو پھوڑتا ہے۔ بلکہ پہاڑ کے بھی دو سار ہوتا ہے۔ سوائے اس سپہ گری کے ہر ایک فن سے واقف ہوں۔ اور بہت سی حکمتیں جانتا ہوں۔ پہلے امیر خجستہ کے پاس نوکر تھا۔ جب اس نے میری قدر کچھ نہ کی اور کاری گری نہ سمجھی۔ تب اس کی چاکری چھوڑ کر بادشاہ طبرستان کے پاس آیا ہوں۔ اگر وہ مجھ کو رکھے گا۔ تو رہوں گا۔ اور ہر ایک وقت جاں نثاری قرار واقعی کروں گا۔

طبرستان کے بادشاہ نے یہ سخن سُن کر اپنے نوکروں اور اہل کاروں کو حکم دیا۔ کہ بالفعل اسے خدمت پاسبانی کی دو۔ بعد دریافت ہونے کے جو اس کے حق میں مناسب ہو گا۔ سو کیا جائے گا۔ بہ موجب حکم بادشاہ کے ارکان دولت نے اُسی وقت اُسے خدمت پاسبانی کی دی۔ اور سرفراز کیا۔ چنانچہ وہ شام سے تا صبح ہر ایک شب دولت خانے کی خبرداری کے واسطے جاگتا اور کھڑا ہو کر بادشاہ کے قصر کو دیکھا کرتا۔ اتفاقاً ایک شب آدھی رات کو بادشاہ بالاخانے پر کھڑا اِدھر اُدھر پھرتا تھا: نگاہ اُس کی اس پاسبان پر پڑی۔ دیکھا۔ کہ ایک شخص مستعد کھڑا ہے۔ تب اُس نے پُوچھا۔ اے شخص تو کون ہے؟ جو اس وقت اس محل سرا کے نیچے کھڑا ہے۔ اُس نے عرض کی۔ خداوند! میں پاسبان اس دولت خانے کا ہوں۔ خبرداری کے واسطے اس محل سرا کی کتنے دِنوں سے شام سے صبح تک حاضر رہتا ہوں۔ اور امید وار تھا۔ کہ جمالِ مبارک حضرت کا دیکھوں۔ اور اپنی آنکھوں کو روشن کروں۔ بارے آج کی شب قسمت نے یاوری کی۔ کہ دیدار خداوند عالمیان کا دیکھا۔ دِل کو شاد کیا۔

اتنے میں ایک آواز جنگل کی طرف سے بادشاہ کے کان میں آئی کہ میں جاتی ہوں۔ ہے کوئی ایسا مرد جو مجھ کو پھیر لاوے؟ یہ بات سنتے ہی بادشاہ متعجب ہو کر اس سے کہنے لگا۔ کہ اے پاسبان! تو بھی کچھ اس آواز کو سنتا ہے کہ یہ آواز کہاں سے آتی ہے؟ اس نے عرض کی۔ کہ خداوندا! میں تو کئی شب سے سُنتا ہوں کہ بعد آدھی رات کے یہ آواز یوں ہی آتی ہے لیکن میں خدمت پاسبانی کی رکھتا ہوں محل سرا چھوڑ کر جا نہیں سکتا۔ اس واسطے اس کو دریافت نہیں کر سکا۔ کہ یہ آواز کس کی ہے اور کہاں سے آتی ہے۔ اگر شاہ جہاں ارشاد کریں۔ تو ابھی جاؤں بشتاب اس کو دریافت کر کے حضور پُر نور میں عرض کروں۔ بادشاہ نے فرمایا۔ کہ بہتر۔ جلد جا اور سچ خبر حضور میں آ کر گزارش کر۔

وہ پاسبان وہاں میں (وہیں) خبر لینے چلا۔ تھوڑی دُور گیا تھا کہ بادشاہ بھی ایک کمبل سیاہ اوڑھے سارا بدن اور منہ اس سے چُھپا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ پاسبان تھوڑی دُور جا کر کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک عورت حسین۔ خوبصورت ایک درخت کے نیچے اِس راہ میں کھڑی ہے اور یہی کہتی ہے۔ کہ میں جاتی ہوں۔ دیکھوں تو کون سا ایسا مرد ہے جو مجھے پھیر لاوے۔ اور نہ جانے دے۔ تب اِس نے پُوچھا۔ کہ اے صاحب جمالِ پری پیکر! تو کون ہے۔ اور یہ بات کس لئے کئی شب سے کہتی ہے۔ اُس نے کہا۔ کہ میں تصویر عمر بادشاہ طبرستان کی ہوں۔ وعدہ اُس کا برابر ہوا ہے۔ اب اس واسطے میں جاتی ہوں۔ یہ سخن سُنتے ہی اِس پاسبان نے کہا۔ کہ اے تصویر عمر بادشاہ! اب تو کسی طرح سے پھر بھی مراجعت کر گی اور آوے گی؟ اُس نے کہا۔ کہ اے پاسبان! ایک صورت ہے۔ اگر تو اپنے بیٹے کو اس کے عوض ذبح کرے۔ تو البتہ مراجعت کروں۔ تا بادشاہ پھر چند روز اس جہان میں زندگی کرے۔ اور جلدی نہ مرے۔

یہ بات بادشاہ نے بھی سُنی۔ اور پاسبان نے نہایت خوش ہو کر جواب دیا کہ اے عورت عمر بادشاہ! اپنی عمر اور اپنے بیٹے کو بادشاہ کی عمر پہ نثار و تصدق کرتا ہوں۔ جلدی مت کر۔ تو یہیں کھڑی رہ۔ میں ابھی اپنے گھر جاتا ہوں اور بیٹے کو لا کر تیرے سامنے ذبح کرتا ہوں۔ میں اس سے ہاتھ اٹھاؤں گا بادشاہ کی سلامتی کے واسطے ماروں گا۔

حاصل کلام یہ کہہ کر اپنے گھر گیا۔ بیٹے سے کہنے لگا۔ کہ بیٹا! آج بادشاہ کی عمر تمام ہوئی ہے۔ کوئی دم میں وہ مرتا ہے۔ اگر تو اپنی عمر بادشاہ کو دے۔ تو وہ تیرے مرنے سے جیسے اور چند روز اس دنیا میں رہے۔ وہ لڑکا نیک بخت و وفادار اس بات کو سنتے ہی کہنے لگا۔ کہ اے قبلہ و کعبہ! وہ بادشاہ منصف و عادل ہے۔ ایسے والی صاحب سخا اہل ہمت۔ غریب پرور۔ کرم بخش کے بدلے۔ ایک میں کیا ہوں۔ اگر تمام گھر تمہارا کام آوے تو تم تصور نہ کرنا۔ کیونکہ ایک مجھ سا ناچیز اگر اس کے صدقے ہوا تو وہ جیتا رہے گا۔ تو ایک عالم کو پرورش کرے گا۔ بہتر یہی ہے۔ کہ مجھے جلد لے چلو۔ اور اُس کے اوپر صدقے کرو۔ تو میں سعادت دارین حاصل کروں۔ کیونکہ ایک تو آپ کا کہنا۔ اور دوسرے ایسے بادشاہ پر نثار ہونا۔ اس سے بہتر بات میرے واسطے اس جہان میں اور کوئی نہیں۔ میں نے یہ کلام حضرت اُستاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے۔ کہ ہر ایک چھوٹے بڑے مکتب کے لڑکوں سے کہتے تھے۔ کہ اگر شاہ کی سلامتی

کے واسطے کوئی اہل کار بادشاہی ایک آدمی کو رعیت میں سے مارے۔ تو گناہ نہیں۔ کیونکہ وہ بندہ پرور ہے۔ سیکڑوں کو پالتا ہے۔ وہ جیئے گا تو ہر ایک شہر اس سے آباد رہے گا اگر وہ مرے گا تو ایک ظالم پیدا ہوگا۔ کہ وہ ہزاروں کو خراب کرے گا۔ اور لاکھوں اسکے ظلم وستم سے مریں گے پس لازم ہے کہ جلد مجھے لے چلو۔ اور اس کے واسطے ذبح کرو۔ ہم پر ایک مجھ سا قربان ہو تو کیا۔

آخر وہ پاسبان اپنے بیٹے کو اُس عورت کے پاس لے گیا۔ اور اُس کے ہاتھ پاؤں باندھ جھک کر ایک خنجر تیز سے چاہتا تھا کہ اُس کا گلا کاٹے کہ اتنے میں اس عورت نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا۔ کہ اے پاسبان اپنے بیٹے کو ذبح مت کر۔ اور گلا اِس کا مت کاٹ۔ حق تعالےٰ کو تیری ہمت پر رحم آیا۔ اور مہربان ہو کر مجھے پھر ساٹھ برس کا حکم کیا۔ کہ بادشاہ کے تابع میں رہ۔ جس وقت اُس پاسبان نے اِس خوشی کی خبر کو سُنا۔ بہت خوش ہوا۔ اور اُسی گھڑی بادشاہ کو خبر دینے چلا۔

یہ حالت بادشاہ طبرستان نے بھی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اور بات چیت پاسبان کی اور اُس کے بیٹے کی کما حقہ دریافت کی۔ پھر اُسکے پہنچنے سے پہلے دوڑ کر اپنے تئیں بدستور اُسی بالا خانے پر پہنچایا۔ اور اُسی طرح سے اُسی پر پھرنے لگا۔ اور بعد ایک آدھ گھڑی کے وہ پاسبان بھی حضور پرنور میں آیا۔ اور تسلیمات بجالا کر دُعا دینے لگا۔ کہ عمر و دولت وجاہ و حشمت شہنشاہ کی تاقیامت بڑھتی رہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا۔ کہ اے پاسبان! وہ کیسی آواز تھی؟ کچھ تو نے دریافت کیا ہے؟ تو مفصل بیان کر۔ اُس نے دست بستہ ہو کر عرض کی۔ اے خداوند ایک عورت حسین و صاحب جمال اپنے خاوند سے لڑ کر اِس جنگل میں نکل آئی تھی۔ اور ایک درخت کے نیچے اُس راہ میں بیٹھی رو رہی تھی۔ اور بہ آواز بلند یہی کہتی تھی۔ کہ میں نہ رہوں گی۔ تب میں اُس کے پاس گیا۔ اور میٹھی میٹھی باتوں سے بہلایا۔ اور اچھے اچھے سخن سمجھا بجھا کر اس کے شوہر سے ملا دیا۔ دوستی ان دونوں میں کروادی۔ اب ان نے مجھ سے اقرار کیا ہے۔ کہ ساٹھ برس تک اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکلوں گی۔

بادشاہ نے یہ دانائی اور جاں فشانی اس کی اور جرأت اس کے بیٹے کی دیکھی تھی۔ فرمایا۔ کہ اے پاسبان! جس وقت تو اس کی خبر لینے چلا تھا۔ میں بھی تیرے پیچھے پیچھے موجود تھا۔ سب سوال و جواب تیرے اور تیرے بیٹے کے اور اطوار اس عورت کے اپنی آنکھوں سے اور کانوں سے دیکھے اور سُنے۔ خیر اگرچہ اگلے وقت میں تو محتاج و غریب ذلیل و پریشان تھا۔ اور اب میری پاسبانی میں نوکر ہوا تھا۔ انشاء اللہ روز بروز بہبودی اور ترقی تیری ہوگی۔ اور گھڑی بہ گھڑی سلوک پر سلوک کروں گا۔ خدا کے فضل سے نہایت تحارج و دولت کو پہنچے گا۔

یہ کہکر بادشاہ آرام کرنے گیا۔ بساطِ عیش پر سو رہا۔ بعد وہ چار گھڑی کے صبح ہوئی۔ بادشاہ تخت پر نکل بیٹھا اور پاسبان کو یاد کیا۔ پھر سب وزیروں۔ امیروں اور اہل کاروں کو جمع کر کے یہ فرمایا۔ کہ اے حاضران پائے تخت! میں نے اِسے بہ خوشی تمام اپنا ولی عہد کیا۔ اور مال و اسباب و خزانہ سب اپنی رضامندی سے اُسے دیا۔

طوطے نے یہ کہانی تمام کی۔ کہ اتنے میں صبح ہوئی۔ اور آفتاب نکلا۔ جانا خجستہ جان کا موقوف رہا۔ کیونکہ تمام رات بادشاہ طبرستان اور اُس بادشاہ کی کہانی کے سُننے سے خمار آلود ہو رہی تھی۔ جاتے ہی پلنگ پر سو رہی۔

گئی نیند کی ماتی آخر کو لیٹ !
پھر کھٹ کے کونے میں منہ سر لپیٹ !

تیسری کہانی

یہ ہے کہ ایک بڑھئی اور سُنار نے مل کر کہیں سے سونے کے بُت چرائے اور انہیں کو کسی جگہ چھپا کر آپس کی دوستی سے باز آئے۔

جب سورج چھپا اور چاند نکلا۔ تب خجستہ ارغوانی جوڑا پہن۔ بسنتی دوشالا اوڑھ۔ جواہر کے دریا میں سراپا غرق ہو طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے۔ مجھے آج کی شب جلد رخصت دے۔ کہ میں اپنے یار سے ملوں۔ اور کچھ کچھ باتیں پیار کی کروں۔ طوطے نے کہا۔ کہ اے کدبانو! میں نے تجھے پہلی ہی شب رُخصت دی تھی۔ اب تک تُو نے کیوں توقف کیا؟ خیر اب جا۔ اور یہ زیور اپنے بدن کا اُتار۔ کیوں کہ بی بی! دنیا بہت بُری جگہ ہے۔ ایسے اسباب کو پہن کر مرد کے پاس جانا اچھا نہیں۔ شاید اُس کی آنکھ اس گہنے پر پڑے۔ اور جی میں کچھ لالچ کرے۔ تو پھر نہ تو ہی رہے گی۔ نہ گہنا ہی۔ دوستی کی دوستی جائے گی۔ زیور کا زیور۔ جس طرح کہ اُس زرگر اور نجار کی دوستی میں خلل پڑا۔ زر ہی کے واسطے برسوں کا ساتھ چھوٹا۔ خجستہ نے پوچھا۔ کہ اِس کی نقل کیوں کر ہے؟ مفصل بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں ایک بڑھئی اور سنار میں ایسی دوستی تھی۔ کہ جو کوئی انہیں دیکھتا تھا۔ سو یہی کہتا تھا کہ یہ ماں جائے بھائی ہیں۔ اتفاقاً وے دونوں سفر کو گئے کسی شہر میں جا کر مفلس ہوئے۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ اِس شہر میں فلانی جگہ بت خانہ ہے کہ اُس میں کئی بُت سونے کے ہیں۔ یہاں سے برہمنوں کی صورت بن کر چلیئے۔ اور عبادت میں مشغول ہو جایئے۔ کسی وقت فرصت پا کر دو چار بُت چرایئے۔ اور مزے سے اُن کو بیچ کر گزران کیجئے۔

یہ بات ٹھہرا کر وے دونوں اس بُت خانے میں گئے۔ اور عبادت کرنے لگے۔ وہاں کے برہمنوں نے جو اُن کی عبادت دیکھی۔ تو سب شرمندہ ہوئے۔ اور ہر روز ایک دو برہمن اِس بُت خانے سے جاتے اور پھر نہ آتے۔ اگر کوئی پوچھتا کہ تم نے کیوں اس بُت خانے کو چھوڑا؟ تو وے یہی کہتے کہ کئی دن سے دو برہمن ایسی دھرم مورت صاحب لاج پورا کرنے والے آئے ہیں۔ کہ ایک دم بھگوان کے دھیان سے سر نہیں اٹھاتے۔ اور کسی سے آنکھ نہیں ملاتے۔ اس واسطے ہم چلے آئے ہیں۔ کیونکہ ان کے برابر ہم سیوا اور پرستش نہیں کر سکتے۔

جب اُن دونوں کے سوا اُس بُت خانے میں اور کوئی نہ رہا۔ تب انہوں نے شب کو فرصت پا کر کئی بُت سونے کے چُرا کر اپنے گھر کا رستہ پکڑا۔ اور وے نزدیک شہر کے پہنچ کر کسی درخت کے نیچے اُن بتوں کو گاڑ کر اپنے اپنے گھروں کو گئے۔ بعد آدھی رات کے سُنار اکیلا جا کر اُن بتوں کو وہاں سے اکھاڑ کر اپنے گھر لے آیا۔ اور صبح کو جا کر اُس نجار سے کہنے لگا۔ اے بڑھئی! بے ایمان جھوٹے۔ دغا باز۔ چوٹے میری آشنائی کا پاس نہ کیا اور ایسی قدیم دوستی میں خلل ڈالا۔ کہ ان بُتوں کو تو چُرا لایا۔ اس بے ایمانی سے کئے برس جئے گا؟ اور کتنے دن گزران کرے گا؟ کیا عجب! اب زمانے میں دوستی کا اعتبار نہ رہا۔

وہ اس کی باتیں سن کر حیران ہوا کہ یہ کیا بکتا ہے۔ آخر لاچار ہو کر کہنے لگا۔ کہ اے زرگر! جو گیا سو گیا۔ اور جو ہوا سو ہوا۔ جانے دے۔ میں جانتا ہوں۔ خدا کے واسطے مجھ پر مت بہتان باندھ از بس کہ وہ عقل مند تھا۔ اس سے لڑنا اور قضیہ کرنا مناسب نہ جانا۔ چپکا ہو رہا۔

بعد کئی دن کے ایک پتلا چوبی اس بڑھئی نے اس سنار کی صورت بنایا۔ و ویسے ہی کپڑے اُسے پہنائے۔ اور دو بچے خرس (ریچھ) کے کہیں سے لایا۔ اور اس پتلے کی آستین اور دامن میں کچھ کچھ ان بچوں کے کھانے کی چیزیں رکھ دیں۔ جب ان کو بھوکھ (بھوک) لگتی۔ تو اس بُت کے پاس جاتے اور جو اس کی آستین سے یا دامن سے پاتے۔ سو کھاتے۔ اور اپنے

جی میں جانتے۔ کہ ہمارا باپ یا ماں جو کچھ کہ ہے۔ سو یہی ہے۔ اور یہاں تک اس پتلے سے آشنائی رکھتے تھے۔ کہ ہر روز اُلفت سے اِس کے دامن میں آکر بیٹھتے تھے۔

جب خرس کے بچوں کو اِس صورت سے مہر و محبت ہوئی۔ تب بڑھئی نے سنار کی اور اُس کی عورتوں کی ضیافت کی۔ بلکہ ہمسائے کی عورتوں کو بھی بلایا۔ چنانچہ سُنار کی جورو اپنے دو لڑکوں کو ساتھ لے کر اس کے گھر گئی۔ نجار اپنی گھات میں لگ رہا تھا۔ بعد دو گھڑی کے اِس سُنار اور سُنارنی کو غافل پا کر ان دونوں لڑکوں کو چھپا رکھا۔ اور ان خرس کے بچوں کو چھوڑ کر غل مچانے لگا۔ کہ ہے ہے! اِسے لڑکے سنار کے خرس کے بچے کیوں کر ہو گئے؟؟

یہ بات سنتے ہی وہ سُنار باہر سے بے اختیار روتا ہوا آیا۔ اور اس کی کمر پکڑ کر کہنے لگا ابے جھوٹھ کیوں بکتا ہے؟ کہیں آدمی بھی جانور ہوئے ہیں؟

آخر یہ قِصّہ قاضی کے رُو برُو گیا۔ اور قاضی نے پُوچھا کہ اے بڑھئی! آدمی کے بچے خرس کے بچے کیوں کر ہوئے؟ تب اُس نے کہا۔ کہ اے پیر و مُرشد! وہ دونوں میرے سامنے آپس میں کھیلتے تھے۔ اور کُشتی لڑتے تھے۔ زمین پر گرتے ہی خرس کے بچے ہو گئے۔ قاضی نے کہا۔ کہ یہ بات میں کس طرح سے سچ جانوں۔ تب نجار کہنے لگا۔ کہ خداوند! ہم نے کتاب میں لکھا دیکھا ہے۔ کہ کسی وقت میں ایک گروہ اِنسان کا خدا کے غضب سے حیوان ہو گیا تھا۔ لیکن عقل اس گروہ کی جوں کی توں رہی تھی۔ اور الفت و محبت بھی ویسی ہی۔ لازم ہے۔ کہ اِس وقت دربارِ عام میں ان بچوں کو سب اعالی موالی کے سامنے منگوا کر اس کے رُو برُو کیجئے۔ اگر وے اس کے لڑکے ہوں گے۔ تو اس سے اُلفت کریں گے۔ اور نہیں تو جو چاہیئے گا۔ سو مجھے کیجئے گا۔

یہ بات اِس کی قاضی نے پسند کی۔ اور اِن بچوں کو منگوا کر اِس زرگر کے آگے چھوڑ دیا۔ وے اِس صورت کے سبب سے آشنا ہو رہے تھے۔ ؛ تو۔ اس بیٹر کی بے اختیار دوڑ کر اس سے جا لپٹے اور اُس کے پاؤں پر منہ ملنے لگے۔ اور اس کی بغلوں میں سر ڈالنے تب قاضی نے کہا کہ اے سُنار دغا باز۔ یہ دونوں تیرے لڑکے ہیں۔ مجھے یقین ہوا۔ بس اب اِدھر آ۔ اور ان دونوں کو اٹھا کر اپنے گھر لے جا۔ ناحق کیوں شرارت کرتا ہے۔ اور اس غریب نجار سے لڑتا ہے۔ تب وہ زرگر اس نجار کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور منت کرنے لگا۔ کہ اے یار! اگر یہ حکمت تو نے اپنا حِصّہ لینے کے واسطے کی ہے۔ تو اپنا حِصّہ لے۔ اور میرے لڑکے مجھے دے۔ اُس نے کہا۔ کہ اے سُنار! تو نے بڑا گناہ کیا ہے۔ اور امانت میں خیانت کی ہے۔ اب اگر جھوٹ بولنا چھوڑ دے۔ اور دغا بازی کی توبہ کرے۔ تو شاید پھر تیرے بیٹے اپنی اصل صورت پر آویں۔ غرض اس زرگر نے اِس کا حِصّہ دیا اور اپنے بیٹے اس سے لے لئے۔

طوطے نے یہ نقل تمام کر کے کہا۔ کہ اے نجستہ! تو بھی اپنا زیور اُتار کر جا۔ شاید وہ بھی اِس طرح کا بے ایمان ہو۔ اور اس کا لالچ کرے تو پھر نہ گہنا ہی رہے گا۔ اور نہ دوستی ہی رہے گی۔ کہ بانو نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ گہنا اُتارے اور اپنے معشوق کے پاس سدھارے کہ اتنے میں صبح ہوئی اور مُرغ نے بانگ دی۔

جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ بیت پڑھ کر چُپکی رہ گئی۔

روتے روتے تمام رات کٹی
ہجر کی تیری پر نہ بات کٹی

○

چوتھی کہانی

یہ ہے کہ امیر زادے نے کسی لشکری کی جورو سے عزت و حرمت کا امتحان لیا اور خجالت کھینچی۔

جب آفتاب چھپا۔ اور ماہتاب نِکلا۔ تب نجستہ نے ایک جوڑا دھانی گلے میں ڈالا۔ اور ہر ایک جواہر سے اپنے تئیں سنوارا۔ اور مسّی کی دھڑی پانوں کا لکھوٹا۔ ہونٹوں پر جما۔ بالوں میں تیل ڈال۔ کنگھی کر۔ آستین چڑھا۔ بے اختیار ایک بانک پن سے اُٹھی اور طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! تو مجھے ہر ایک وقت باتوں میں لگا لیتا ہے۔ اور یوں ہی جھوٹھ موٹھ بہلا دیتا ہے۔ تجھے کچھ میری خبر نہیں ہے۔ کہ میں دردِ عشق سے مرتی ہوں۔ اور حسب حال میرے یہ بند ہے۔

حیراں ہوں کیا کرے گا تیرا وعدہ اور پیام
اس مجھلے کے بیچ میرا کام ہے تمام
گر زندگی عزیز ہے میری تو صبح و شام
موقوف کر یہی ہے میرا حاصِل کلام
طاقت نہیں رہی ہے مجھے انتظار کی

قسم ہے خدا کی تجھے! آج کی شب رُخصت دے۔ مجھے کہ میں جاؤں۔ اور اُسے گلے لگاؤں۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ اے نجستہ! میں بھی اِس بات سے شرمندہ ہوں بسینہ چاک ہے۔ اور دِل جلتا ہے۔ کہ تو ہر ایک شب میری باتیں سنا کرتی ہے۔ اپنے یار کے پاس نہیں جاتی۔ خدا نخواستہ اگر اس عرصہ میں تیرا خاوند آجائے گا۔ تو تو خواہ مخواہ اپنے معشوق سے خجالت کھینچے گی۔ جس طرح سے کہ اُس لشکری کی جورو سے امیرزادہ شرمندہ ہوا۔ نجستہ نے پُوچھا۔ کہ اس کی داستان کیوں کر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں ایک مردِ لشکری جورو نہایت خوبصورت رکھتا تھا۔ اور اُس کی حرمت کی نگہبانی کیا کرتا۔ ایک دم اُس کے پاس سے جُدا نہ ہوتا۔

اِتفاقاً گردشِ فلکی سے وہ لشکری محتاج ہوا۔ تب اس کی جورو نے پُوچھا۔ کہ اے صاحب! تم نے کیوں اپنا کاروبارِ دنیا کا موقوف کیا جو احوال یہاں تک پہنچا؟ اُس نے کہا۔ اے بی بی! مجھے تیرا اعتبار نہیں۔ اس لئے یہ سب کام کاج تباہ کر کے یہاں تک خراب ہوا۔ کہ اب نہ کہیں جا سکتا ہوں۔ نہ کسی کی نوکری کر سکتا ہوں۔ تب اُس نے کہا۔ اجی! اس خیالِ فاسد کو اپنے جی سے دُور کرو۔ کہ عورت نیک بخت کو کوئی مرد فریفتہ نہیں کر سکتا۔ اور بد بخت بی بی کو کوئی شوہر سنبھال نہیں سکتا۔ تم نے حکایت اُس جوگی کی شاید نہیں سُنی۔ جو ہاتھی کی صورت بن کر اپنی جورو کو پیٹھ پر چڑھائے۔ جنگل جنگل پڑا پھرتا تھا۔ اور اس بے حیا نے اس کی پیٹھ پر ایک سو ایک مرد سے بدکاری کی تھی۔ تب اِس لشکری نے پوچھا کہ اِس کی نقل کیوں کر ہے؟۔ کہہ تو؟

بی بی کہنے لگی۔

ایک راہ گیر نے کسی بیابان میں ایک فیل مست مع عماری دیکھا۔ کہ چلا آتا ہے۔ تب وہ اس کی دہشت سے ایک بلند درخت پر چڑھ گیا۔ قضا کار وہ فیل اسی درخت کے نیچے آیا۔ اور عماری کو اپنی پیٹھ سے اِس جگہ اُتار کر آپ چرائی کو گیا۔ اور اس مرد نے دیکھا۔ کہ اس عماری میں ایک عورت حسین و خوبصورت ہے۔ اِس واسطے اِس درخت پر سے اُترا۔ اور اُس کے پاس آکر باتیں اور مزاخیں کرنے لگا۔ وہ بھی اس سے خوش ہو کر اپنے مطلب کی باتیں ناز و انداز سے کرنے لگی۔ اور اُس سے وہ مختلط ہوئی۔ کہ گویا ہمیشہ کی آشنا تھی۔

بعد فراغت کے اِس عورت نے ایک تاگا اپنی جیب سے گرہ دار نکالا۔ اور ایک گرہ اس ڈورے میں اور دی۔ تب اِس مرد نے پُوچھا کہ تم کو اپنے خدا کی قسم ہے سچ کہو۔ کہ یہ کیسا تاگا ہے؟ اور یہ کیسی گرہیں ہیں۔ اور یہ کیوں گانٹھ دی ہے۔ مجھ کو بھی اِس احوال سے آگاہ کرو۔

تب وہ بدذات کہنے لگی۔ کہ میرا شوہر جادوگر ہے۔ میری حفاظت کے واسطے ہاتھی بنا رہتا ہے۔ اور مجھے اپنی پیٹھ پر چڑھائے جنگلوں جنگلوں پھرتا ہے۔ اس کی اس خبرداری پر میں نے سو مرد سے بدکاری کی۔ اور یادگار کے واسطے ایک گرہ دی۔ آج تیری توجہ سے ایک سو ایک ہوئیں۔

جب وہ یہ داستان تمام کر چکی۔ تب اس کے شوہر نے کہا۔ کہ اب میرے حق میں کیا فرماتی ہو جو کہو سو کروں۔

تب اُس عورت نے کہا۔ کہ بہتر مصلحت یہ ہے۔ کہ تم سفر کرو۔ اور کسی کے نوکر ہو۔ میں ایک گل دستہ تر و تازہ پھولوں کا دیتی ہوں۔ جب تک وہ گل دستہ پژمردہ نہ ہو۔ تب تک جاننا کہ میری بی بی اپنی عزت و عصمت سے بیٹھی ہے۔ اور خدانخواستہ وہ مرجھا جائے۔ تو معلوم کرنا کہ اس سے کچھ فعل بد صادر ہوا۔

یہ بات اس لشکری کو خوش آئی۔ تب لاچار اُس سے جدا ہو کر کسی ملک کو واسطے روزگار کے چلا۔ اور اُس عورت نے موافق اپنے کہنے کے ایک گل دستہ اُسے دے کر رخصت کیا۔

غرض اس گل دستے کو بہ خوبی اپنے پاس آٹھوں پہر رکھتا اور دیکھا کرتا۔

اتنے میں موسم خزاں گلستان جہاں میں پہنچا۔ اور ہر ایک گل و غنچہ نے چمن دہر سے سفر کیا۔ اور زمانے میں گل و غنچہ کا نام و نشان باقی نہ رہا۔ سوائے اس گل دستے کے جو اُس لشکری کے پاس تھا۔ تب امیر زادے نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ اگر لاکھ روپے خرچ کیجئے۔ تو آج ایک پھول میسر نہیں ہوتا۔ اور کبھی بادشاہ وزیر کے ہاتھ بھی نہیں لگتا۔ تعجب ہے کہ یہ بے چارہ غریب سپاہی ہمیشہ ایک گل دستہ تازہ بہ تازہ کہاں سے لاتا ہے؟

تب انہوں نے عرض کی۔ کہ حضرت سلامت! ہم کو بھی یہی تعجب ہے۔ تب اس امیر نے پوچھا کہ اے لشکری! یہ گلدستہ کیسا ہے؟ اور کہاں سے تیرے ہاتھ لگا ہے۔ اُس نے کہا۔ کہ یہ مجھ کو میری بی بی نے اپنی حرمت کی نشانی دی ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ جب تک یہ گلدستہ تر و تازہ رہے گا۔ یقین جانو۔ کہ میری عصمت کا دامن گناہ سے نہیں بھرا۔ اس بات پر وہ امیر زادہ ہنسا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے لشکری! جورو تیری جادوگر و مکارہ ہے اس نے تجھے فریب دیا ہے۔ اور اپنے دو باورچیوں میں ایک کو کہا۔ کہ اس لشکری کے شہر میں جا۔ اور اس کی بی بی سے جس طرح مکر و فریب سے بنے۔ مل کر جلد پھر آ۔ اور اس کیفیت سے آگاہ کر۔ دیکھیں تو یہ گلدستہ کملاتا ہے یا نہیں۔ بھلا یہ بھی معلوم ہو۔

وہ باورچی اپنے آقا کے حکم کے بموجب اُس کے شہر گیا۔ اور ایک دلالہ کو اُس کے پاس کچھ کچھ سمجھا بجھا کر بھیجا۔ وہ پیرزال اس عورت کے گھر گئی۔ اور جو کچھ کہ اس نے کہا تھا سو سب کہا۔ بلکہ اپنی طرف سے بھی بہت سا کچھ۔ لیکن اُس نے سن کر کچھ جواب اس کٹنی کو نہ دیا بس اتنا کہا کہ اُس مرد کو میرے پاس لے آ۔ میں دیکھوں۔ کہ وہ میرے لائق ہے یا نہیں۔ آخر اس بڑھیا نے اس شخص کو اس عورت کے سامنے کر دیا۔ تب اس نیک بخت نے اس مرد کے کان میں جھک کر کہا۔ کہ اچھا میں حاضر ہوں لیکن اس وقت تو جا۔ اور اُس رنڈی سے کہہ۔ میں اس عورت سے دوستی نہ کروں گا۔ کہ یہ میرے لائق نہیں۔ اور بعد پہر رات کے اکیلا بے دھڑک میرے گھر چلا آ۔ پھر جو کچھ تو کہے گا۔ میں قبول کروں گی۔ پر اس کو خبر مت کر۔ کیونکہ راز اس قوم سے کہنا اچھا نہیں۔

غرض اس مرد نے اس بات کو پسند کیا۔ اور اُس کے کہنے کے بموجب اس دلالہ سے کہا۔ کہ میں اس سے آشنائی نہ کروں گا۔ کیونکہ یہ میرے قابل نہیں۔ اور بعد آدھی رات کے اس عورت کے دروازے پر آیا اور دستک دی۔ اس عورت نے اپنے گھر کے اندر کوئے (کنوئیں) پر ایک چارپائی کچے سوت کی بنی ہوئی بچھوائی اور ایک چادر اس پر کسوا کر اس مرد کو بلا کر کہا۔ کہ اس پر بیٹھو۔ وہ خوشی کے مارے جوں ہی اس پر بیٹھا۔ وہیں اس کے اندر گر پڑا اور غل کرنے لگا۔ تب اس بی بی نے کہا۔ کہ اے شخص! سچ کہہ تو کون ہے؟ اور کس کا بھیجا ہے؟ اور کہاں سے آیا ہے؟ اگر سچ کہے گا۔ تو جیتا چھوڑوں گی۔ اور نہیں تو اسی کوئے (کنوئیں) میں تیری جان ماروں گی۔ تب اُس نے بہ ناچاری تمام احوال اپنا اور اُس امیر زادے کا اور اُس کے خاوند کا مفصل بیان کیا۔ پر اس حادثے سے نکل نہ سکا۔ اسی چاہ میں ایک مدت بند رہا۔

اس امیر زادے نے اس کے نہ پھر آنے کے باعث سے دوسرے باورچی سے کہا کہ تو یہاں سے بہت سامان تجارت کا اس شہر میں لے جا۔ اور اس عورت سے دوستی کر کے جلد پھر آ۔ لیکن ایسا نہ کرنا۔ کہ تو بھی اسی کی طرح سے وہیں کا ہو رہے۔

آخر وہ بھی اس ملک میں گیا۔ اور ایک دلالہ کو اپنے ساتھ لے کر اُس کے گھر آیا۔ اور اُس کی طرح سے وہ بھی اس چاہ میں قید ہوا۔ تب اس امیر زادے نے جانا۔ کہ شاید کچھ اس پر آفت پڑی جب اب تلک ادھر نہ آیا۔ تب آپ ہی ناچار ہو کر ایک روز شکار کا بہانہ کر کے اس ملک کو چلا۔ اور مع لشکر وہ لشکری بھی اس کے ساتھ ہوا۔

بعد کئی دن کے اس شہر کے قریب پہنچ کر کسی باغ میں اُترا۔ اور وہ لشکری اپنے گھر گیا۔ اور وہ گل دستہ تازہ بہ تازہ اپنی بی بی کے آگے رکھ دیا۔ تب اس عورت نے سب واردات اپنی گزری ہوئی مو بہ مو اپنے شوہر سے کہی۔ بعد دو دن کے وہ لشکری اپنے آقا کو گھر لے گیا۔ اور ضیافت کی۔ اور ان دونوں باورچیوں کو اس کوئے (کنوئیں) سے نکال لونڈیوں کے کپڑے پہنا کر کہا۔ کہ ہمارے گھر مہمان آتے ہیں۔ اگر آج تم کھانا اچھا مزے دار پکا کر ان کے آگے لے جاؤ گے۔ اور خدمت اُن کی بجا لاؤ گے۔ تو کل ہم تمہیں آزاد کریں گے

غرض وے دونوں ویسے ہی کپڑے پہن کر کھانا امیر زادے کے آگے لے گئے۔ کوئے (کنوئیں) کے دکھ سے اور غذائے بد کے کھانے سے سر کے بال اور مونچھ داڑھی کے جھڑ پڑے تھے۔ اور منہ کا رنگ تغیر ہو گیا تھا۔ امیر زادے نے فی الفور انہیں نہ پہچانا۔ اور لشکری سے پوچھا کہ ان باندیوں نے ایسی کیا تقصیر کی ہے۔ جو تم نے ان کا سر منڈوایا۔ اور اس احوال کو پہنچایا۔ تب اس لشکری نے کہا۔ انہوں نے بڑا گناہ کیا ہے میں کیا عرض کروں؟ آپ ہی ان سے پوچھئے۔ یے دیو، آپ ہی اپنا بیان کریں گی۔ آخر اس امیر زادے نے غور کر کے دیکھا۔ تو اپنے باورچیوں کو پہچانا۔ اور انہوں نے بھی اپنے آقا کو۔ تب وے دونوں دوڑ کر اُس کے پاؤں پر گر پڑے۔ اور بے اختیار رونے لگے۔ اور اس لشکری کی جورو کی عصمت پر گواہی دی۔

جب اِس لشکری کی عورت نے پردے کے اندر سے کہا۔ کہ اے امیر زادے! میں وہی رنڈی ہوں۔ کہ جس کو تو نے جادوگر مقرر کیا تھا۔ اور میرے خاوند کو احمق بنا کر ہنسا تھا۔ اور میرے امتحان کے واسطے آدمی بھیجے تھے۔ اب دیکھا تو نے کہ میں کیسی ہوں۔ اور خدا کے فضل سے میری عصمت کیسی ہے؟

تب وہ امیر زادہ شرمندہ ہوا۔ اور عذر خواہی کرنے لگا۔

جس وقت طوطے نے یہ داستان تمام کی۔ اُس وقت کہا کہ اے خجستہ! اب جلد جا اور اپنے معشوق سے مل۔ مبادا اس عرصہ میں کہیں شوہر تیرا آ جائے۔ تو تو حق ناحق وعدہ شکن اور جھوٹی اپنے دوست کے آگے ہووے گی۔ اور شرمندگی کھینچے گی۔ جس طرح سے اِس امیر زادے نے اس لشکری کی جورو سے خجالت کھینچی۔

کدبانو نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ اپنے تئیں اس کے پاس پہنچا دے اتنے میں صبح ہوئی۔

اور مُرغ نے آواز دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف رہا۔ تب یہ شعر پڑھنے لگی۔

گردش سے آسمان کی نزدیک ہے یہ سبھی کچھ
تجھ سے ہمیں مِلانا۔ اِک دور ہے تو یہ ہے

پانچواں قصہ

یہ ہے۔ کہ ایک کاٹھ کی پُتلی کے واسطے نجار و سنار و درزی اور زاہد نے آپس میں ہر ایک سے ہر ایک نے قضیہ کیا۔ اور شرمندہ ہوا۔

جب آفتاب چُھپا اور ماہتاب نکلا۔ تب خجستہ رُخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! تجھے اپنے پیدا کرنے والے کی قسم! مجھے آج کی شب جلد رُخصت دے۔ کہ میں اپنے جانی کے پاس جاؤں۔ اور دِل کھول کر اپنی جوانی کا مزہ اٹھاؤں۔ طوطا کہنے لگا۔ کہ اے کد بانو! میں تجھے ہر ایک شب رُخصت کرتا ہوں۔ تو آپ ہی دیر کرتی ہے۔ اور نہیں جاتی۔ بلکہ میں اس بات سے آٹھوں پہر ڈرتا رہتا ہوں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ تیرا شوہر آجاوے۔ تو پھر تیرا بھی احوال انہیں چاروں شخصوں کی طرح سے ہو۔ خجستہ نے پوچھا ان چاروں کا قصہ کیونکر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی وقت میں ایک بڑھئی اور سنار اور درزی اور زاہد آپس میں مِل کر کسی شہر میں کچھ کمانے کو چلے۔ اتفاقاً ایک دن سوائے منزل کے کسی جنگل میں شام کے ہونے سے رہ گئے۔ اور آپس میں کہنے لگے۔ کہ آج کی شب اس جنگل میں رہیئے۔ اور پاسبانی کیجئے۔ کہ اس بیابان میں ہر ایک چیز کا خطرہ ہے۔ بہتر یہی ہے۔ کہ ہم چاروں ایک ایک پہر جاگیں۔ اور چوکی دیں۔ خدا کے فضل سے صبح کے وقت اپنی منزلِ مقصود کو بخیریت پہنچیں۔ یہ بات ہر ایک نے پسند کی۔ اور پہلے پہر کی چوکی بڑھئی کے ذمے ہوئی۔ اور وے سب سو رہے۔

بعد ایک گھڑی کے اس نجار نے اپنے جاگنے کے واسطے ایک بسولا لے کر کسی درخت کی ڈالی موٹی سی کاٹی۔ اور اُس کی ایک پُتلی نہایت حسین اپنی کاری گری سے بنا کر تیار کی۔

بعد پہر کے اُس درزی کو چونکا کر آپ سو رہا۔ اور وہ درزی بھی اپنی بیداری کی خاطر کچھ سوچنے لگا۔ کہ جس کے سبب سے پہر بھر جاگے اتنے میں سامنے سے وہ پُتلی نظر آئی۔ تب اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ نجار نے اپنا ہنر دکھلانے کو یہ صورت چوبی بنائی ہے۔ پس میں بھی اُسے ایسے کپڑے سی سا کر ٹھیک ٹھاک پہناؤں۔ کہ اُس کا دونا حُسن نکلے۔ آخر اُس نے بھی اپنی کاری گری سے اُسی ایک پہر میں ایک جوڑا نہایت عمدہ دلہنوں کا سا بنایا۔ اور اِس پُتلی کو پہنا۔ سُنار کو چونکا کر آپ سو رہا۔ تب وہ زرگر اپنے جاگنے کا کچھ سبب ڈھونڈنے لگا۔ کہ اتنے میں وہ پُتلی دُور سے کپڑے پہنے ہوئے دکھلائی دی۔ تب اپنے دل میں کہنے لگا۔ کہ اِن دونوں نے اپنا اپنا کسب دکھلایا۔ پس مجھ کو بھی لازم ہے۔ کہ میں اپنا ہُنر ظاہر کروں۔ اور اِس پُتلی کو ایک نئے گڑھت کے گہنے سے آراستہ کروں۔ تاکہ وے بھی معلوم کریں۔ کہ یہ ایسا ہے۔ یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر ایسا گہنا گھڑ کے اُسے پہنایا۔ وہ پُتلی اور بھی خوبصورت ہو گئی۔ اغلب ہے۔ کہ اُس ساخت کا زیور آج تک کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ پھر اس پُتلی کا یہ عالم ہوا۔ کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک جی ہی ڈالنا باقی رہ گیا تھا۔ کہ اُس زرگر نے اس زاہد کو اُٹھا دیا۔ اور آپ سو رہا۔

زاہد اُٹھتے ہی وضو کر کے عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوا۔ بلکہ بعد گھڑی کے کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک عورت حسین سامنے کھڑی ہے۔ پر وہ نہ ہلتی ہے۔ نہ ڈولتی ہے۔ تب اُس نے معلوم کیا۔ کہ یہ انہیں تینوں کی کارستانیاں ہیں۔ اب مجھے بھی اپنا کمال دکھلانا پڑا۔ میں بھی خدا کے فضل و کرم سے ایسا کمال ظاہر کروں۔ کہ اِس بے جان کو دعا سے جاندار کروں۔ تاکہ یہ بھی یاد کریں۔ کہ عبادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں

آخر وہ زاہد بعد نماز کے جناب کریم میں بے اختیار رو رو کر دعائیں مانگنے لگا۔ کہ اے خالق زمین و آسمان کے! واسطے اپنی خداوندی کے اِس تصویر چوبی میں جان دے۔ اور گویا کر کہ میں بھی آبرو اپنے یاروں میں پاؤں۔ بارے یہ التجا اس کی جناب الٰہی میں قبول ہوئی۔ اِسی گھڑی اس پُتلی میں جان پڑی۔ اور آدمیوں کی طرح سے باتیں کرنے لگی جب رات آخر ہوئی۔ اور آفتاب نکلا۔ اِس پُتلی کو دیکھ کر وہ چاروں عاشق ہوئے۔ اور ایک سے ایک قضیہ کرنے لگا۔

نجار نے کہا کہ میں اس کا مالک ہوں۔ کیونکہ اِس کاٹھ کو میں نے آدمی کی صورت تراش کر بنایا ہے۔ میں لوں گا۔

خیاط بولا۔ کہ میں اِس کا وارث ہوں۔ کس واسطے کہ میں نے اس ننگی کو حُرمت دی۔ اور کپڑے پہنائے۔

سُنار نے کہا۔ کہ یہ دلہن میرا حق ہے۔ کیوں کہ میں نے اُسے ایسا گہنا گھڑ کر پہنایا کہ بنی سی بنی۔

اور زاہد نے کہا۔ کہ یہ وہی کاٹھ کی پُتلی ہے۔ میری دُعا سے حق تعالے نے اِسے جان دی۔ سوائے میرے اور کس کا مُنہ ہے۔ جو اس پر آنکھ ڈال سکے؟ میں لوں گا۔

غرض یہ قضیہ بڑھا۔ اور ایک شخص غیر اس جگہ آگیا۔ اِن چاروں نے اس سے انصاف چاہا کیا۔ وہ بھی اس صورت کو دیکھتے ہی عاشق ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ یہ میری بیاہتا ہے۔ تم سب اسے فریب دے کر میرے گھر سے نکال لائے ہو۔ اور مجھ سے جُدا کیا ہے۔

آخر اِن چاروں کو وہ غیر شخص کوتوال کے پاس لے گیا۔ کوتوال بھی اس کو دیکھ کر مبتلا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ کہ یہ میرے بھائی کی بی بی ہے۔ وہ اس کو اپنے ساتھ لے کر سفر کو گیا تھا۔ شاید تم نے اُس کو مار ڈالا ہے۔ اور اس کو لے بھاگے ہو۔

آخر وہ کوتوال اِن سب کو قاضی کے پاس لے گیا۔ اور قاضی بھی اس پر آشفتہ ہو کر کہنے لگا۔ کہ تم کون ہو؟ یہ میری باندی ہے۔ میں اس کو مُدت سے تلاش کرتا تھا۔ بہت سا اسباب و زیور و نقد لے کر بھاگی تھی۔ بارے آج تمہارے باعث سے ملی ہے۔ اب وہ اسباب کہاں ہے؟ اس کو بھی بتلاؤ۔

غرض اس قضیے نے یہاں تک طُول کھینچا۔ کہ سب زن و مرد اس شہر کے جمع ہوئے۔ اور تماشہ دیکھنے لگے۔ تب ان تماشائیوں میں سے ایک پیر مرد نے کہا۔ کہ قضیہ تمہارا یہاں قیامت تک کسی سے فیصل نہ ہوگا۔ تم سب اس شہر کو جاؤ۔ کہ وہ یہاں سے کئی دن کی راہ ہے۔ اور وہاں ایک درخت بہت بڑا پُرانا کھڑا ہے۔ نام اس درخت کا شجرۃ الحکم کہتے ہیں۔ جس کا مقدمہ فیصل نہیں ہوتا۔ وہ اس درخت کے پاس جاتا ہے۔ اِس درخت سے ایک ایسی آواز نکلتی ہے۔ کہ جھوٹا سچا معلوم ہو جاتا اور اپنا مدعا بخوبی پاتا ہے۔

آخر وے ساتوں شخص اس بات کے سُنتے ہی اس درخت کے پاس اس عورت سمیت گئے۔ اور سب احوال اپنا بخوبی اس سے اظہار کر کے کہا۔ کہ اے درخت! سچ کہہ۔ کہ یہ عورت ہم سب میں سے کس کا حق ہے؟ اتنے میں پیٹ اس درخت کا پھٹ گیا۔ اور وہ عورت دوڑ کر اُس میں سما گئی۔

تب اُس درخت سے آواز نکلی۔ کہ تم نے بھی سُنا ہوگا۔ کہ ہر ایک چیز اپنی اصل

پر جاتی ہے۔ چلو ہوا کھاؤ۔ اور ٹھنڈے ٹھنڈے اپنے اپنے گھر کی راہ لو۔ آخر وہ ساتوں شرمندہ ہو کر اپنے گھر گئے۔

طوطے نے یہ قصہ تمام کر کے کہا۔ کہ اے کدبانو! اگر تیرا شوہر آوے اور تجھے قید کر کے رکھے۔ تو تو بھی اپنے معشوق سے شرمندہ ہوگی۔ بہتر ہے۔ کہ اب شتابی سے جا۔ اور اپنے جانی کو گلے لگا۔

خجستہ نے یہ سنتے ہی جو جانے کا ارادہ کیا۔ کہ صبح ہو گئی۔ اور مرغ نے بانگ دی۔ جانا تب اس کا اس روز بھی یوں ہی رہا۔ تب یہ شعر پڑھا۔ اور زار زار رونے لگی۔

صبح سے پہلے جی نکل نہ گیا
حیف ہے دل سے یہ خلل نہ گیا

چھٹی کہانی

قنوج کے راجہ کی اور اُس کی بیٹی کی اور اس پر ایک فقیر کے عاشق ہونے کی۔

جب سورج چھپا اور چاند نکلا۔ تب خجستہ کپڑے بدل گہنا پہن۔ نہایت تن ٹھن کر طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! میں تجھ سے شرمندہ ہوں۔ کیونکہ ہر ایک شب رخصت لینے آتی ہوں۔ اور تجھے تکلیف دیتی ہوں۔ اور تو میری خاطر سے اپنا خواب و آرام کھوتا ہے۔ اس تیرے احسان سے گردن اپنی اٹھا نہیں سکتی۔ اور اُسکا بیان نہیں کر سکتی۔

اگر ہر بن مو ہو میری زبان
نہ ہو مہربانی کا تیری بیان

طوطا کہنے لگا۔ کہ اے خجستہ! یہ کیا کہتی ہے۔ میں تیرے شوہر کے زر خریدہ بندوں میں سے ہوں۔ کام تیرا موافق اپنی غلامی کے کب کر سکتا ہوں؟ جو اس قدر تکلف کرتی ہے۔ بلکہ میں آپ ہی خجالت کھینچتا ہوں۔ لیکن جوکھوں اٹھاؤں گا۔ اور قریب ہے کہ تیرے یار سے تجھے ملاؤں گا۔

جی تک اپنا اب گنواؤں گا
پر تجھے یار سے ملاؤں گا

اور رائے رایان کی مانند کہ احوال اِس کا تو نے سنا ہی ہوگا۔ تیرے کام کی میں بھی سعی کروں گا۔

خجستہ نے پوچھا۔ کہ اُس کا احوال کیوں کر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ قنوج کے راجہ کی ایک بیٹی نہایت صاحب جمال تھی۔ اتفاقاً ایک فقیر اُس پہ عاشق ہوا۔ اور اُس کے عشق میں دیوانہ و بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش میں آتا۔ تب اپنے دل سے کہتا۔ کہ یہ کیا دیوانہ پن ہے ادنیٰ کو اعلےٰ سے کیا نسبت؟ تو بے چارہ درویش فقیر۔ اور وہ راجہ! اُس کی بیٹی کب تیرے ہاتھ لگے؟ لیکن بیقراری کے سبب بعد کئی دن کے یہ پیغام راجہ کے پاس بھیجا۔ کہ اپنی بیٹی کا بیاہ میرے ساتھ کر دے۔ کہ میں اِس کو چاہتا ہوں۔ میری گدائی پر اور اپنی بادشاہی پر نظر مت کر۔

راجا یہ پیغام فقیر کا سنکر غضب ہوا۔ اور بولا ارے کوئی ہے۔ جلد ادھر آوے۔ اور اس فقیر کو جا کر سزا دیوے۔ دیوان نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ کہ حاکم کو یہ لازم نہیں کہ غریب فقیر کو گالی دے۔ یا ایذا پہنچاوے۔ اُس کو اِس حکمت سے اس شہر سے نکلوں گا۔ کہ مارا جاوے۔ اور آپ پر بدنامی نہ آوے۔

بعد اس کے دیوان نے فقیر کو بلا کر کہا۔ کہ اے فقیر! اگر ایک ہاتھی زر سے لدا ہوا لاوے۔ تو یقین ہے۔ اپنی معشوقہ کو پاوے۔ درویش اِس بات کے سنتے ہی خوش ہو کر زر کی فکر کرنے لگا۔ تب کسی شخص نے اِس فقیر کو کہا۔ کہ اے گدا! اگر تو اپنے تئیں رائے رایان کے پاس پہنچاوے گا۔ تو موافق اپنے مدعا کے جو چاہے گا۔ سو پاوے گا۔ اُسی وقت وہ فقیر رائے رایان کے پاس گیا۔ اور اُس سے سوال کیا۔ کہ رائے بابا کی خیر! ایک ہاتھی اشرفیوں سے لدا ہوا یہ فقیر پاوے۔

صدا فقیر کی جوں ہی رائے رایان نے سنی۔ ویسیں ایک فیل زر سے لدا ہوا اس کو دیا۔ فقیر اِس ہاتھی کو لئے ہوئے راجا کے پاس آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ اے مہاراج! یہ فیل زر سے لدا ہوا مجھ سے لیجئے۔ اور اپنی بیٹی کا بیاہ مجھ سے کر دیجئے۔ جب راجہ نے اپنے دیوان سے کہا۔ کہ تیری حکمت کچھ کام نہ آئی۔ وہ زر سے لدا ہوا ہاتھی لے ہی آیا۔

اب کیا کیجئے۔ تب اُس نے عرض کی۔ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ فقیر رائے رایان کے پاس جا کر یہ ہاتھی مع زر مانگ لایا ہے۔ کیوں کہ اب اس زمانے میں ایسا سخی سوائے اُس کے اور کوئی نہیں ہے۔ پھر اپنے جی میں سوچ کر اُس درویش سے یہ کہا۔ کہ اے فقیر۔ راجہ کی بیٹی اِتنی نہیں۔ جو ایسے ہاتھی کے بدلے ہاتھ آوے۔ اگر اُسے لینا منظور ہے۔ تو ابھی جا۔ رائے رایان کا سر کاٹ لا۔ اور یہ لڑکی راجہ کی اپنے ساتھ جہاں چاہے وہاں لے جا۔

غرض وہ فقیر رائے رایان کے پاس جا کر کہنے لگا۔ کہ اے حاتم بابا! اب تیرے سر کے بدلے میری آرزو ملتی ہے۔ اگر تو اپنا سر دیوے گا۔ تو یہ فقیر مدعا اپنا دل خواہ پاوے گا۔

رائے رایان نے کہا۔ اے فقیر! تو اپنی خاطر جمع رکھ۔ یہ سر میرا گوسیاں نے اِسی واسطے پیدا کیا ہے۔ کہ کسی کے کام آوے۔ میں ایک مدت سے اس سر کو ہتھیلی پہ دھرے ہوں۔ کہ جو کوئی مانگے اُسے دوں۔ اب جو تو نے طلب کیا ہے۔ یہ حاضر ہے۔ اور میں بھی موجود ہوں۔ میرے گلے میں رسی باندھ کر اس راجا کے پاس لے چل اور اُس سے کہہ۔ کہ وہ سر جو تم نے مانگا تھا۔ اس سر کو مع تن کے لایا ہوں۔ اگر اُس نے قبول کیا۔ تو میرے تن سے کاٹ لینا۔ اور اگر اُس نے کچھ اور مانگا۔ تو وہ بھی حاضر کروں گا آخر درویش رائے رایان کا گردن میں رسی باندھ کر راجا کے پاس لے گیا اُس راجا نے جب۔ جواں مردی اِس مرد کی دیکھی۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے پاؤں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا کہ سچ ہے۔ سوائے تیرے اب دنیا میں ایسا سخی جوان مرد کوئی نہیں اور نہ ہوگا۔ جو ایک ادنیٰ فقیر کے واسطے اپنا سر دیوے۔ یہ کہہ کر اپنی بیٹی کو بلایا۔ اور رائے رایان کے حوالے کر کے کہا۔ کہ اے مہاراج! یہ تمہاری لونڈی ہے اِس کو جسے چاہئے اُسے دیجئے۔

طوطے نے یہ کہانی کہہ کر خجستہ سے کہا۔ کہ اے کدبانو! میں بھی اپنا سر تیرے کام پر کٹواؤں گا۔ اور مطالب دِلی تیرے بر لاؤنگا۔ اِس میں ہرگز دریغ نہ کروں گا۔ بہتر ہے۔ کہ اب جلدی اپنے معشوق کے پاس جا۔ اور حظ زندگانی کا اٹھا۔

خجستہ نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ کہ اتنے میں صبح ہوئی۔ اور مرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔

تب یہ فرد پڑھی اور رونے لگی۔

اے سحر! تیری دشمنی سچ کہہ!
وصل کی شب کبھی دکھاوے گی؟

ساتویں نقل

ایک چڑے کی مادہ اور ایک طوطی کی اور اُس کے بچوں کی یہ ہے۔

جب آفتاب چھپا اور ماہتاب نکلا۔ تب خجستہ دردِ عشق کے مارے روتی ہوئی

طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور اُسے متفکر دیکھ کر کہنے لگی۔ کہ اے عقل مند! آج کیوں غمگین ہے؟ طوطا بولا۔ کہ اے کد بانو! مجھ کو تیری فکر نے نہایت حیران کیا ہے۔ اور اسی اندیشے نے میرا دانہ پانی چھڑا دیا ہے۔ میں اسی سوچ میں آٹھوں پہر پڑا رہتا ہوں۔ کہ کیوں کر دریافت کروں۔ کہ وہ معشوق تیرا تجھ سے وفاداری کرے گا یا کام روشاہ بادشاہ کی طوطی کی طرح بے وفائی کر کے دغا دے گا۔

خجستہ نے پوچھا۔ کہ وہ نقل کیوں کر ہے۔ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔

کسی وقت میں کسی ایک صیاد نے طوطی کے آشیانے کے نزدیک جال بچھایا۔ اور اُسے بچوں سمیت گرفتار کیا۔ اُس وقت اِس طوطی نے اپنے بچوں سے کہا۔ کہ بابا! اِسوقت یہی مصلحت ہے کہ تم اِس جگہ مُردے کی صورت ہو کر پڑ رہو۔ اگر تم کو یہ چڑی مار مردہ جانے گا تو چھوڑ دے گا۔ میں تنہا جو پکڑی گئی۔ تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اگر میں جیتی رہوں گی۔ تو کسی نہ کسی حکمت سے اپنے تئیں تمہارے پاس پہنچاؤں گی۔ ان بچوں نے اسی کے کہنے کے بموجب کیا۔ ہر ایک اپنا اپنا دم چرا کر گر رہا۔ اس صیاد نے معلوم کیا۔ کہ شاید یہ مر گئے ہیں۔ اِن کو اِس دام سے رہا کیجیے۔

یہ کہہ کر یوں ہی اِن کو اس دام سے نکالا۔ وہیں وہ ہر ایک اُڑ گیا۔ اور ایک درخت کی شاخ پر جا بیٹھا۔ تب وہ چڑی مار اِس طوطے پر غصے ہوا۔ اور چاہا کہ اس کو زمین پر دے پٹکے۔ کہ اتنے میں اس طوطی نے کہا۔

اے صیاد! خبردار! مجھ کو مت مار۔ اگر میں جیتی رہوں گی تو یہاں تک تجھے زر نقد دلواؤں گی۔ کہ پھر تا عمر اپنی تو کسی چیز محتاج نہ ہوگا۔ اور جب تک جیتا رہے گا۔ تب تک کسی کام کا اندیشہ نہ کرے گا۔ کیوں کہ میں نہایت عقلمند و طبیب ہوں۔ ایسا طبابت کا کام جانتی ہوں۔ کہ جیسا چاہیے۔

اس سخن سے صیاد خوش ہوا۔ اور اس کے مارنے سے باز رہا۔ اور کہنے لگا اے طوطی! ہمارے ملک کا بادشاہ کامروشاہ ایک مُدت سے بیمار ہے۔ اور مرض سخت رکھتا ہے۔ تو اس کو اچھا کر سکتی ہے۔ طوطی بولی۔ اے صیاد! یہ کون سا بڑا کام ہے۔ میں ایسی طبیبہ ہوں۔ کہ دس ہزار مریض جن کو ارسطو اور لقمان جواب دیں۔ اِن کو اچھا کر دوں۔ تو مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے چل۔ اور میری طبابت کی اس سے تعریف کر۔ پھر جتنے کو چاہنا۔ اتنے کو اس کے ہاتھ مجھے بیچ دینا۔

غرض وہ صیاد اس طوطی کو پنجرے میں بند کر کے اپنے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ خداوندا! یہ طوطی نہایت عقلمند ہے۔ اور طبابت میں دست گاہ رکھتی ہے۔ اگر حکم ہو۔ تو حضور پُرنور میں حاضر رہے۔ کامروشاہ نے کہا۔ کہ بھائی! میں بھی اِسی فکر میں تھا۔ مجھے بھی ایک طبیب دانا درکار ہے۔ اور یہی آرزو رکھتا ہوں۔ کہ کوئی ایسا آوے۔ کہ میرے مرض کو دُور کرے۔ بہتر ہے یہ میرے پاس رہے۔ تو اس کی قیمت کہہ۔ اس نے دس ہزار اشرفی اس کی قیمت کہی۔ بادشاہ نے وہی دلوا دی۔ وہ صیاد اُسے لے کر اپنے گھر گیا۔

وہ طوطی بادشاہ کی دوا کرنے لگی۔ بارے وہ چار دِن میں آدھا مرض اِس کا اِسکی دوا سے دُور ہوا۔ تب طوطی نے کہا۔ اے بادشاہ۔ خدا کے فضل سے اور میری تدبیر و دوا سے اب تجھ کو آدھی صحت ہوئی ہے۔ اگر مجھ پر رحم کرے۔ اور اِس پنجرے سے خلاصی بخشے۔ تو میں بھی قول کرتی ہوں۔ کہ ایک چیز صحرا سے لا کر کھلاؤں۔ کہ بعد دو چار ہی دن کے تو چنگا ہو۔ اور غسل صحت کرے۔

کامروشاہ نے جانا کہ شاید یہ طوطی سچ کہتی ہے۔ اس اعتبار پر اُسے قفس سے آزاد کیا۔ طوطی نے اپنے جنگل کا راستہ لیا۔ اور پھر ادھر منہ نہ کیا۔ طوطے نے یہ نقل تمام کر کے کہا۔ کہ اے خجستہ! میں بھی اِس بات سے ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ وہ معشوق تیرا اسی طوطی کی طرح تجھ سے دغابازی کرے۔ خدا کے واسطے جلدی جا۔ اور اپنے پیارے سے ملاقات کر۔ اور تو جب تک اس کی آزمائش نہ کرے۔ اعتماد نہ کرنا۔

کد بانو نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ اور مُرغ بولا۔ جانا اس کا اس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ فرد پڑھی۔ اور رونے لگی۔

آج مہ روسے اپنے میں ملتی!
گر نہ کرتا فلک یہ بے مہری

آٹھویں داستان

یہ ہے کہ ایک سوداگر کی جورو نے اپنے خاوند سے مکر کیا۔ اور اپنی بات رکھی۔

جب شمس نہاں ہوا۔ اور قمر عیاں۔ تب خجستہ روتی ہوئی اور سرد آہیں بھرتی ہوئی رخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور طوطے نے اُسے متفکر دیکھ کر پوچھا اے کد بانو! آج اس قدر حیران ہے۔ خیر تو ہے؟ بی بی! اتنا غم نہ کھا۔ اور اتنی اذیت نہ اُٹھا۔ خدا آسان کرے گا خجستہ کہنے لگی۔

اے محرم راز! میں ہمیشہ تیرے پاس آتی ہوں۔ اور احوال اپنی بیقراری کا سناتی ہوں۔ وہ کون وقت ہوگا۔ جس وقت تو مجھے رخصت کرے گا۔ اور وہ کون وقت ہوگا۔ کہ میں اپنے معشوق سے ملاقات کروں گی۔ اگر آج کی شب رُخصت کرے۔ تو رتو میں جاؤں۔ اور نہیں۔ تو صبر کر کے اپنے گھر بیٹھ رہوں۔

طوطا کہنے لگا۔ اے کد بانو! تو ہر رات میرے پاس آتی ہے۔ اور باتیں میری سنتی ہے۔ جانے کے وقت صبح ہو جاتی ہے اور رات کو آخر کر دیتی ہے۔ چاہتا ہوں۔ کہ آج کی رات جلد جاوے۔ تو ایک چھوٹا سا قصہ سُنا دوں۔ کہ جس کے باعث تیری بات رہے۔ اور تو کسی آفت میں نہ پڑے۔ یہ یاد رکھنا۔ کہ اگر تو کہیں جاوے۔ اور خاوند تیرا تجھے وہاں نظر آوے۔ تو تُو بھی اِس سوداگر کی جورو کی طرح شور و غل کرنا کہ وہ پشیمان ہو وے۔ اور تیری بات رہے۔

خجستہ نے پوچھا۔ اِس کی داستان کیوں کر ہے؟ بیان کر۔

طوطا بولا۔ کہ کسی شہر میں ایک سوداگر نہایت مال دار تھا۔ اور اُس کی جورو نہایت خوبصورت تھی۔ وہ تاجر کسی ملک میں واسطے تجارت کے گیا۔ اور پیچھے اِس کی جورو نے بدکاری اختیار کی۔ بعد کئی مہینے کے اِس کا شوہر مال واسباب بہت سا لے کر اپنے شہر آیا۔ اور کسی حویلی میں اترا۔ بعد پہر رات کے ایک دلالہ کو بلوا کر کہنے لگا۔ کہ میں آج اپنے گھر نہیں جا سکتا۔ اگر تو کہیں سے ایک عورت خوب صورت لے آوے گی۔ تو میں تجھے بہت خوش کروں گا۔ یہ سنتے ہی وہ برھ جا گئی۔ اور کسی کو تلاش کرتے لگی۔ غرض بہت سا ادھر اُدھر ڈھونڈ ڈھانڈ کر حیران ہوئی۔ جب کہیں کوئی رنڈی ہاتھ نہ لگی۔ تب اتفاقاً وہ کُٹنی اُس تاجر کے گھر گئی۔ اور اس کی بی بی سے کہنے لگی۔ کہ آج کسی ملک سے ایک بڑا سوداگر مال دار آیا ہے۔ اور خوبصورت بھی ہے۔ اِس نے ایک رنڈی بلوائی ہے۔ اگر تیرا جی چاہے۔ تو ہی چل۔

غرض وہ دلالہ کے ساتھ ہوئی۔ اور اُس سوداگر کے پاس گئی۔ جوں ہی اپنے خاوند کی صورت دیکھی۔ وہیں پہچان گئی۔ اور جی میں کہنے لگی۔ کہ واہ جی واہ۔ یہ تو میرا ہی خاوند

ہے۔ اب میں کیا کروں؟ نادان غل کر اٹھی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے ہمسائے کے لوگو! دوڑو اور میرا انصاف کرو۔ چھ برس سے میرا خاوند سوداگری کو گیا تھا۔ میں دن رات اس کی راہ تکتی تھی۔ اب جو یہاں آیا۔ تو اس حویلی میں اُترا۔ اور میرے پاس نہ گیا۔ آج میں اِس کے آنے کی خبر سُن کر آپ ہی آئی ہوں۔ اگر تم میری داد کو پہنچو۔ تو بہتر۔ نہیں تو قاضی کے پاس نالش کروں گی۔ اور اسے چھوڑ دوں گی۔

آخر ہمسائے کے لوگ جمع ہوئے۔ تب اُس نے ان سے کہا۔ کہ میں اسی کی جورو ہوں۔ اور یہ میرا خاوند ہے۔ مجھے یہ اکیلا اِس شہر میں چھوڑ کر سفر کو گیا تھا۔ میں اِس کے غم میں آٹھوں پہر رہا کرتی تھی۔ بارے آج خدا کے فضل سے میاں صاحب جیتے جاگتے آئے ہیں۔ تو گھر نہیں گئے۔ اور مجھ سی بی بی صاحب حرمت کو بھلا کر غیر بدبختوں کے ساتھ عیش کیا چاہتے ہیں۔ میں یہ خبر سُن کر خود آئی ہوں۔ تم سب خدا ترس ہو۔ اِنصاف کرو۔

آخر اس سوداگر کو ہر ایک شخص نے سمجھا بجھا کر اِس کی بی بی سے ملا دیا۔ اور یہ کوئی نہ سمجھا۔ کہ وہ آپ ہی خرچی آئی تھی۔ کیوں؟ دیکھا۔ اِس عورت نے اپنی زبان آوری کے سبب حرمت کی حرمت رکھی۔ خاوند کو اپنے گھر میں لائی۔

جب طوطے نے یہ داستان تمام کی۔ خجستہ سے کہا۔ کہ اُٹھ دوڑ اپنے معشوق کے پاس جا۔ دیر مت کر۔

خجستہ نے یہ سُنتے ہی چاہا کہ جاوے۔ صبح ہوئی۔ مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اس روز بھی اِس کا موقوف ہوا۔ تب یہ بیت پڑھا۔ اور منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

کس طرح میسّر ہو شبِ وصلِ دِل آرام
ہر صبح ہے درپے یہ میری گردشِ ایّام

نواں قصہ

یہ ہے کہ ایک گنوار کی جورو نے کسی غیر مرد سے دوستی کی۔

جب سورج چھپا۔ اور تارے نکلے۔ خجستہ بے اختیار زار و نزار روتی ہوئی طوطے کے پاس رُخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے محرم راز! آج پھر کچھ اِس کی مفارقت سے حالِ دل تباہ ہے۔ اگر صلاح جانے تو مجھ کو جلد رُخصت کر۔ نہیں تو صبر کر کے بیٹھ رہوں۔ اگرچہ جانتی ہوں۔ جو کوئی عاشق ہے۔ اُسے صبر سے کیا کام؟ بے اختیار جی چاہتا ہے۔ کہ ہر طرح سے اپنے تئیں اس کے پاس پہنچاؤں۔ اور خوب سا اِسکے گلے لگ کر حظ جوانی کا اٹھاؤں۔

دیکھوں گی تجھے کب اے گوسائیں؟
آنکھیں تو سفید ہونے آئیں سائیں!
دل یاد میں۔ دیدہ منتظر بر سرِ راہ،
نتھنوں میں ہے دم زباں پہ سائیں سائیں

طوطا کہنے لگا۔ کہ اے خجستہ! میں جانتا تھا۔ کہ عشق اس کا یہاں تک تجھے تباہ کرے گا۔ اور غم میں اُس کی جدائی کا اِس حالت کو پہنچاوے گا۔

میں اِس عشق کا یہ نہ سمجھا تھا ڈول
ترے غم سے آنے لگا مجھ کو ہول

لیکن خدا کا فضل چاہیے اِنشاءاللہ تعالےٰ اپنے یار سے ملے گی۔

اگرچہ ہر ایک شب تو مجھ سے رُخصت لینے آتی ہے۔ اور میری باتیں سُن کر اپنی شب امید گنواتی ہے۔ پر عقل مندوں نے کہا ہے کہ جو کوئی سوچ کر کام کرتا ہے۔ وہ ہرگز پشیمانی نہیں اُٹھاتا۔ بلکہ ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ جس طرح سے کہ اِس دہقان کی جورو نے سوچ کر جو حرکت کی تو کچھ ندامت نہ کھینچی۔ خجستہ نے پوچھا۔ کہ اِس کا قصہ کیونکر ہے؟

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی دن ایک گنوار کی مہری اپنے کوٹھے پر بیٹھی تھی۔ اور ایک شخص نوجوان اس کو دیکھ کر عاشق ہوا۔ اور عورت نے بھی معلوم کیا۔ کہ مجھ پر شیدا ہوا ہے۔ اِس کو لگوائیے اور مزے اڑائیے۔ آخر اِس مرد کو اشارے سے طلب کیا۔ اور یہ کہہ دیا کہ بعد آدھی رات کے تو اس درخت کے نیچے آ کر بیٹھ رہنا۔ میں بھی اپنے خاوند کو سلا کر تیرے پاس آؤں گی۔ یہ کہہ کر اُسے رخصت کیا۔ اور آپ ادھر اپنے گھر کے کاروبار میں مشغول ہوئی۔ جب آدھی رات گزری۔ جوان اس کے گھر میں آ کر اسی درخت کے نیچے بیٹھ رہا۔ عورت بھی خصم کو سوتا چھوڑ کر وہیں گئی۔ اور اُس کے ساتھ سو رہی۔

اتفاقاً اس کا سسر اُس وقت کسی کام کے واسطے اُٹھا۔ اور باہر جانے لگا۔ کیا دیکھتا ہے۔ کہ بیٹے کی جورو ایک غیر مرد کے ساتھ سوتی ہے۔ اِس بات سے نہایت رنجیدہ ہوا۔ اِس کے پاؤں سے پازیب اُتار کر اپنے پاس رکھی اور جی میں کہنے لگا۔ کہ صبح اس بدذات کو خوب سی سزا دوں گا۔ بعد ایک گھڑی کے اِس عورت کی آنکھ جو کھلی۔ تو کیا دیکھتی ہے۔ کہ پاؤں میں پازیب نہیں۔ اس نے اپنے عقل سے معلوم کیا۔ کہ شاید سسر نے آن کر یہ ماجرا دیکھا۔ اور پازیب اُتار کر لے گیا۔ اب صبح کو کیا جانیئے۔ کہ کیا ہو۔

یہ سمجھ کر اپنے یار سے کہا۔ کہ تم اپنے گھر جاؤ۔ پھر کسی روز اگر جی چاہے گا۔ تو آئیو۔ یہ کہہ کر اُس کو رُخصت کیا۔ اور اِدھر آپ اپنے خاوند کے پاس آ کر لیٹ رہی۔

بعد ایک دم کے کہنے لگی۔ کہ یہاں اس وقت گرمی لگتی ہے۔ اُس درخت کے نیچے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا ہے چلئے اور سو رہیئے۔

آخر اِسی بہانے سے اپنے شوہر کو اسی درخت کے نیچے لائی۔ اور دونوں مل کر سوئے۔ جب اُس کی آنکھ لگ گئی۔ تب جگا کر کہنے لگی۔ کہ اجی! سوتے کیا ہو؟ اُٹھو اور ایک تماشہ دیکھو۔ وہ بے اختیار اُٹھ بیٹھا۔ اور کہا۔ کہ کیا کہتی ہو؟ تب اُس نے کہا۔ جیسا میرا باپ ویسا تمہارا باپ۔ یہ کیا کہ میرے پاؤں کی پازیب اُتار کر لے گیا۔ اور مجھے ننگا کھلا دیکھ گیا۔ اُس نے کہا۔ کہ خیر صبح کو میں انہیں سمجھا دوں گا۔ کہ پھر ایسی حرکت نہ کرنا۔

جب صبح ہوئی۔ اپنے باپ سے جھنجھلا کر کہنے لگا۔ بابا جان! تم کو مناسب نہیں۔ جہاں بیٹا بہو ساتھ سوتے ہوں۔ وہاں جاؤ۔ اور ان کو ہر ایک حال میں دیکھو تب اُس کے باپ نے کہا۔ کہ بیٹا! کچھ شعور پکڑ۔ تیری عورت کم بخت ایک غیر مرد کے ساتھ سوتی تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور یہ پازیب پاؤں سے اتار لی۔ یہ بات سُنتے ہی وہ اور بھی خفا ہوا اور کہنے لگا۔ کہ تم خواہ مخواہ میری جورو کے دشمن ہوئے ہو۔ میں خوب جانتا ہوں اُس وقت گرمی کے باعث سے میں ہی درخت کے نیچے اِس کے ساتھ سوتا تھا۔ کہ تم نے یہ حرکت کی۔ چنانچہ یہ سُن کر اُس کا باپ شرمندہ ہوا۔ طوطے نے یہ قصہ تمام کر کے کہا۔ کیوں دیکھا تو سنے؟ اِس رنڈی نے کیا کارستانی کی۔ کہ اپنے اوپر کچھ بات نہ آنے دی۔ غیر کی دوستی کی دوستی رہی۔ اور سسرے کو ذلیل کا ذلیل کیا۔ آپ اچھی کی اچھی رہی۔

اے خجستہ! اب جلدی جا۔ اور اپنے دلدار کو گلے لگا کہ بانو نے یہ سُنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اِتنے میں صبح ہو گئی۔ اور مرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ فرد پڑھی اور رونے لگی۔

وصل کی شب گزر گئی افسوس!
آئی پھر ہجر کی سحر افسوس!

* * *

دسویں کہانی

یہ کہ ایک تاجر کی بیٹی کو کسی گیدڑ نے تدبیر بتلائی۔ اور اس کسی تدبیر سے اُس عورت نے حرمت پائی۔

جب سورج چھپا۔ اور رات ہوئی۔ تب خجستہ آنکھوں میں آنسو بھرے۔ گریبان چاک کئے سینہ پُرسوز سے طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے عقل مند! بس تیری دانائی پر نہایت اعتبار رکھتی ہوں۔ اسی واسطے ہر رات تیرے پاس آتی ہوں۔ تیری تدبیر کے وارے اور تیری دانائی کے صدقے۔ وفاداری کے قربان۔ آج دل اُمڈا آتا ہے۔ اور سینہ پھٹا جاتا ہے کیوں کر اپنے تئیں اُس کے پاس پہنچاؤں؟ اور کس طرح اُسے اپنے گلے لگاؤں؟

آتشِ عشق جی جلاتی ہے
یہ بلا جان ہی پر آتی ہے

اگر اب اجازت مجھے نہ کرے گا۔ تو کب کرے گا؟ اور اب اجازت نہ دے گا۔ تو کب دے گا؟ میں تیری منت کرتی ہوں۔ اور اس تدبیر میں پھرتی ہوں۔

یہ اپنے چھوٹے کی کس طرح تدبیر میں رہیئے
بہار آئی ہے۔ کیوں کر خانۂ زنجیر میں رہیئے

خدا کے واسطے کوئی ایسا ڈھب بتلا۔ کہ جس کے باعث جلد پیا ہو اُس کا طوطا کہنے لگا۔ اے خجستہ! یہ غم تیرا میرے دل میں ہے۔ اور میں جب تک جیتا ہوں۔ بے فکر نہ رہوں گا۔ اور کس شب میں تجھے رخصت نہیں کرتا۔ کہ تو محبوب کے پاس نہ جا۔ بلکہ تو آپ ہی نہیں جاتی ہے۔ اور میری باتوں میں رات گنواتی ہے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ یہ بھید تیرا کھلے اور چرچا اس کا لوگوں میں پڑے۔ تجھے ایسی حکمت سکھا دیتا ہوں۔ کہ جیسے ایک گیدڑ نے کسی سوداگر بچی کو سکھائی تھی جس طرح اس کے سبب رسوائیوں سے وہ بچ رہی۔ تو بھی بچ رہے گی تب خجستہ نے پوچھا۔ کہ اس کی کہانی کیوں کر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں ایک امیر نہایت عالی شان تھا۔ اور بیٹا اس کا کریہہ منظر و بدشکل و احمق۔ جب وہ لڑکا بالغ ہوا۔ تب اُس کے باپ نے کسی سوداگر کی بیٹی سے بیاہ دیا۔ وہ لڑکی نہایت خوبصورت و عقل مند ہوشیار۔ گانے بجانے میں بھی نہایت شعور دار۔ اتفاقاً وہ عورت کسی رات اپنے کوٹھے پر بیٹھی تھی۔ اور ایک شخص دیوار کے تلے خیال گا رہا تھا۔ عورت کا دل سنتے ہی آواز پر اس کی آگیا۔ کوٹھے سے اُتر کر اُس کے پاس جا کر کہنے لگی۔ کہ اے شخص! میرا خاوند نہایت بدصورت و احمق ہے۔ تجھ سے ہو سکتا ہے۔ کہ مجھے اپنے ساتھ کسی ملک کو لے نکلے، جب تک جیتی رہوں گی تیری فرماں برداری کروں گی۔ آخر کار اُس نے بھی اس کی یہ بات قبول کی۔ اسی گھڑی اُس کو اپنے ساتھ لے کر جنگل کی راہ لی۔ تھوڑی دور جا کر ایک تالاب کے کنارے پر کسی درخت کے نیچے دونوں لیٹ کر سو رہے۔ بعد ایک گھڑی کے وہ مرد چونکا۔ اور اُس عورت کے بدن کا تمام زیور اتار لیا۔ اور آپ چلتا پھرتا نظر آیا۔ اسی عرصہ میں کہیں اِس کم بخت کی جو آنکھ کھلی۔ تو نہ بدن میں گہنا دیکھا۔ اور نہ بستر پر یار پایا۔ تب اُس کو یقین ہوا۔ کہ دغاباز نے صاف مجھ سے دغا کی۔ پھر پشیمان ہو کر کہنے لگی۔ یا الٰہی! میری تقصیر معاف کر۔ میں نے جو کیا سو پایا۔ اتنے میں صبح ہو گئی تب اِس تالاب کے کنارے پر متفکر ہو کر جا کھڑی ہوئی۔ کہ ایک گیدڑ منہ میں ایک ہڈی لئے ہوئے اِس تالاب پر آیا۔ کنارے پر ایک مچھلی بھی دیکھی۔ تو ہڈی منہ سے پھینک دی۔ اور اس پر دوڑا۔ مچھلی اُسے دیکھ کر پانی میں ڈوب گئی۔ تب وہ شغال پھر اُسی ہڈی کو لینے کو آیا۔ تو اُس کو پھر نہ پایا۔ کیونکہ اُسے گدھ لے گیا تھا۔ اِس ماجرے کو دیکھ کر وہ عورت نہایت ہنسی اور کہنے لگی۔ کہ کیا خوب۔ مثل مشہور ہے۔ جو آدھی کو چھوڑ کر ساری کو جائے۔ تو پھر ساری ملے نہ آدھی پائے۔ یہ سن کر گیدڑ نے پوچھا۔ بی بی! تو کون ہے، جو اِس وقت اس جنگل میں اکیلی اِس تالاب پر کھڑی ہے۔ اُس نے اپنا سب احوال اِس شغال سے کہا۔ اس کو اس کے حال پر رحم آیا۔ کہنے لگا۔ کہ بی بی۔ کچھ اندیشہ مت کر۔ صلاح یہ ہے۔ کہ اب تو یہاں سے دیوانوں کی طرح ہنسی اور روتی اپنے گھر چلی جا۔ جو تجھے اِس احوال سے دیکھے گا۔ رحم کرے گا اور کچھ نہ کہے گا۔

آخر اس رنڈی نے موافق اِس تدبیر کے اپنا حال بنایا۔ اور گھر کا راستہ پکڑ وہیں سے دیوانوں کی طرح شور و غل کرتی ہوئی اپنے گھر گئی۔ اس حیلے کے باعث کسی نے اس کو بُرا نہ کہا۔ بلکہ ہر ایک اس کو دیکھ کر کڑھنے لگا۔

طوطے نے یہ کہانی تمام کر کے خجستہ سے کہا۔ کہ یہ وقت اچھا ہے جلد جا۔ اور اپنے معشوق سے مل۔ کچھ اندیشہ مت کر۔ خدا نہ کرے۔ اگر کوئی مشکل تیرے آگے آوے گی۔ تو ایک حیلہ ایسا سکھا دوں گا۔ کہ وہ مشکل آسان ہو جائے گی۔ اور تیری حرمت رہے گی۔ خجستہ نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ مرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ فرد پڑھی۔ اور رونے لگی۔

رات کا پیچ ہوا نہ خواب میرا
نہ ملا۔ صبح آفتاب میرا

گیارھویں نقل

یہ ہے کہ ایک برہمن نے لالچ کو کام فرمایا۔ اور شیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔

جب سورج چھپا۔ اور سانجھ ہوئی۔ خجستہ بیقراروں کی سی صورت بنائے ہوئے طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے طوطے! معلوم ہوا۔ تجھے میرے درد کی خبر نہیں۔ جب ہی میری باتیں اُڑا دیتا ہے۔ اور اِدھر اُدھر کے جھوٹ سچ قصے اور کہانیاں سنایا کرتا ہے۔ نہیں جانتی کہ تجھے اس سے کیا حاصل ہے۔ طوطے نے کہا۔ اے کدبانو! میں خدا سے چاہتا ہوں کہ تو جلد کہیں اِس کے پاس جاوے۔ اور اُسے گلے لگاوے۔ تو آپ ہی نہیں جاتی۔ اور دیر کرتی ہے۔ اِس میں میری تقصیر کچھ نہیں ہے۔ یوں آپ کی خوشی ہے۔ مجھے قتل کیجئے۔ پر حق تو ہے یہی۔ کہ میری کچھ خطا نہیں۔ خیر اب شتاب جا۔ اور اُس سے ملاقات کر کے جلد پھر آ۔ پر یہ یاد رکھ۔ کہ وہاں کسی چیز کی طمع نہ کرنا۔ کیونکہ لالچ بہت بُری بلا ہے۔ اگر طمع کرے گی۔ تو تیرا بھی حال ویسا ہی ہووے گا۔ جیسا کہ اس برہمن کا ہوا تھا۔ خجستہ نے پوچھا۔ کہ اس کی نقل کیوں کر ہے؟

طوطا کہنے لگا۔ کسی شہر میں ایک برہمن نہایت مال دار تھا۔ اتفاقاً وہ مفلس ہو کر اور کسی ملک میں کچھ پیدا کرنے چلا۔ ناگاہ ایک روز کسی جنگل میں جا پہنچا۔ اور تالاب کے کنارے پر دیکھا۔ کہ ایک شیر بیٹھا ہے۔ ایک لومڑی اور ایک ہرنی اس کے آگے کھڑی ہے۔ یہ برہمن متفکر ہو کر ڈر کے مارے وہیں کھڑا ہو رہا۔ کہ یکایک لومڑی کی اور ہرنی کی نظر اس پر جا پڑی۔

تب آپس میں سوچ کر یوں بولیاں کہ اگر اِس کو شیر دیکھے گا۔ تو مار ہی ڈالے گا۔ ایک ایسی مصلحت کیجئے۔ کہ وہ جس کے باعث اِس کو نہ مارے۔ بلکہ انعام دے۔ یہ بات ٹھہرا کر شیر کو دعائیں دے کر کہنے لگیں۔ کہ سخاوت آپ کی یہاں تک مشہور ہوئی ہے۔ کہ آج ایک برہمن بھی مانگنے آیا ہے۔ اور ہاتھ باندھے سامنے کھڑا ہے۔ شیر نے سر اٹھا کر دیکھا۔ اور خوش ہو کر اس برہمن کو آگے بلایا اور نہایت رحم کھایا۔ غرض نقد و زیور اُن لوگوں کا جنہیں مارا تھا۔ سب کا سب اس برہمن کو بخشا۔ اور

مہربانی سے رُخصت کیا۔ تب وہ برہمن بہت سا مال لیکر اپنے گھر گیا اور مزے سے گزران کرنے لگا۔ بعد ایک مُدّت کے پھر جو لالچ ہوا تو وہ برہمن اجل گرفتہ اسی شیر کے پاس آگیا۔ اس وقت اس کے سامنے بھیڑیے اور کتّے کھڑے تھے۔ اس برہمن کو دیکھتے ہی خوش ہوئے اور شیر سے کہنے لگے۔ کہ یہ آدمی کیسا شوخ ہے۔ اور کتنا ڈھیٹھ ہے۔ کہ بے آپ کے طلب کئے روبرو چلا آتا ہے۔ اور خطر اپنی جان کا نہیں کرتا۔ اس بات کو سنتے ہی شیر آگ ہوگیا۔ اور اپنی جگہ سے اُچھل کر ایک ہی طمانچے سے اس برہمن کا کام تمام کیا۔

طوطے نے یہ نقل تمام کرکے کہا۔ کہ خجستہ! اگر وہ برہمن لالچ نہ کرتا تو جان سے نہ مارا جاتا۔ یقین ہے جو لالچ کرے گا۔ سو بلا میں پڑے گا۔ خیر اب پہر رات باقی ہے۔ جلد جا اور اپنے معشوق سے مل آ۔ اور اتنی رات عیش و عشرت میں بسر کر۔

خجستہ نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اور اُسے اپنے گلے لگا دے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ بیت پڑھی اور رونے لگی۔

وصل کی شب کو کیوں گنواتی ہے
اے سحر! کس لئے تو آتی ہے

○

بارھویں داستان

یہ ہے۔ کہ ایک بلّی نے چوہے مارے۔ اور بوڑھے شیر سے شرمندہ ہوئی۔

جب سورج چھپا۔ اور چاند نکلا۔ تب خجستہ گُل انار کا جوڑا پہن اور گہنے پاتے سے اپنے تئیں آراستہ کر طوطے کے پاس رُخصت لینے گئی۔ اور اُسے متفکر دیکھ کر کہنے لگی۔ کہ اے جی کے خوش کرنے والے۔ آج کیوں غمگین ہے۔ طوطا کہنے لگا۔ اے کد بانو! مجھ کو تیرا غم مارے ڈالتا ہے۔ اور یہی اندیشہ کھائے جاتا ہے۔ کہ تو ہر ایک شب میرے پاس رُخصت لینے آتی ہے۔ اور میری باتوں میں صبح ہو جاتی ہے۔

ایسا نہ ہو کہ یکایک تیرا خاوند آجاوے۔ اور تو نہ جانے کے باعث پشیمان ہو۔ مانند اِس بلّی کے جس نے چوہوں کو مار کر انفعال کھینچا تھا۔ خجستہ نے یہ سُنتے ہی کہا۔ اے طوطے! چوہے بلّی کی خوراک ہیں۔ یہ تعجب ہے کہ بلّی چوہے کے مارنے سے پشیمان ہوئی۔ کچھ اِس کا بھید نہ سمجھی۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی بیابان میں ایک شیر ایسا بوڑھا رہا کرتا تھا۔ کہ بڑھاپے کے باعث اِس کے دانتوں نے جڑیں چھوڑ دی تھیں۔ اگر وہ کبھی کچھ گوشت کھاتا۔ تو ریشہ اِس کا دانتوں میں اٹک جاتا۔ اور اِس جنگل میں چوہے بھی بہت سے تھے۔ جب وہ شیر رات کو سوتا۔ تب ہر ایک چوہا آن کر اِس کے مسوڑھوں سے ریشہ گوشت کا کھینچتا۔ اور وہ گوشت نکال کر کھا جاتا۔ اس سبب سے اِس کو اذیت ہوتی۔ اور چونک چونک پڑتا۔ آخر اُس نے ایک روز اور جانوروں سے کہا۔ کہ تم کچھ ایسی تدبیر کرو۔ کہ چوہے مجھے تکلیف نہ دیں۔ اور میں چین سے سوؤں۔ تب لومڑی نے ہاتھ باندھ کر عرض کی حضرت سلامت! بلّی آپ کی خاص رعیّت ہے۔ اِس کو پاسبانی کی خدمت دیجئے۔ اور آپ مزے سے تمام رات آرام کیجئے۔ یہ بات لومڑی کی شیر کو خوش آئی۔ اور بلّی کو بلا کر خدمت کوتوالی دی۔ وہ اپنی خدمت پر مستعد ہوئی۔ چوہوں نے بلّی کو جو دیکھا۔ تو جنگل کا رستہ پکڑا۔ شیر نے اپنی خاطر خواہ رات کو آرام کیا۔ اور بلّی کو سرفراز فرمایا۔ پر وہ بلّی اپنی دانائی سے ان چوہوں کو دُور ہی دُور سے دھمکایا کرتی۔ اور کبھی کسی کو پکڑ کر نہ کھا جاتی۔ کیوں کہ یہ جانتی تھی۔ کہ انہیں کی بدولت مجھ کو یہ خدمت ملی ہے۔ اگر ان کو کھا جاؤں گی۔ تو شیر کو مجھ سے سروکار نہ رہے گا۔ اور یہ خدمت چھین لے گا۔ اِس بات کو سمجھ کر وہ اپنے اُوپر فاقہ قبول کر۔ اِن میں سے کسی کو نہ کھاتی۔

اتفاقاً ایک دِن خدا نے اِس کی عقل گنوائی۔ کہ وہ اپنا بچہ بھی شیر کے پاس لائی۔ اور ہاتھ باندھ کر عرض کرنے لگی۔ کہ آج میں کسی کام کو کہیں جانا چاہتی ہوں۔ اگر حکم ہو تو اپنے بچے کو چھوڑ جاؤں۔ کل صبح کو پھر حضور میں حاضر ہوں گی۔ یہ بات اُس شیر نے پسند کی۔ اور اپنی خوشی سے رضا دی۔ بلّی اپنے کام کو گئی۔ اور یہاں اِس کے بچے نے جس چوہے کو دیکھا اُسے مار ہی لیا۔ غرض ایک رات دن میں سب کا کام تمام کیا۔

دوسرے دن صبح کو بلّی نے جو آن دیکھا۔ تو ہر ایک چوہے کو مویا پایا۔ تب اپنا سر پکڑ کر کہنے لگی۔ اے بدبخت! یہ کیا کیا۔ جو تمام چوہے مار ڈالے۔ انہیں کے سبب میری حُرمت تھی۔ تب بچے نے کہا۔ تم نے کس واسطے چلتے وقت مجھ کو منع نہ کیا تھا۔ حاصل یہ کہ وے پچھتائے اور پشیمان ہوئے۔

جب یہ خبر شیر کو پہنچی۔ کہ اِس جنگل میں چوہے کا نام نہیں۔ تب بلّی کو اس نے جواب دیا۔ اور کوتوالی سے تغیّر کیا۔

طوطے نے یہ داستان تمام کرکے کہا۔ کہ اے کد بانو! تو نہایت کاہلی کرتی ہے۔ راتی دور نہیں جاتی۔ اور ہر ایک رات مُفت میں گنواتی ہے۔ میں ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں تیرا شوہر نہ آجائے۔ اسی بلّی کی طرح تو بھی خفیف ہو۔

خجستہ نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اِس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ بیت پڑھی اور رونے لگی۔

وصل کی رات مُفت کھوتی ہے
اے سحر کس لئے تو ہوتی ہے

○

تیرھواں قصّہ

شاہ پور مینڈکوں کے سردار اور سانپ کا۔

جب سورج چھپا اور چاند نکلا۔ خجستہ کپڑے بدل بہت سا گہنا پہن۔ طوطے کے پاس رُخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے طوطے! میں تجھے بہت دانا جانتی ہوں اور تیری مصلحت نہایت نیک سمجھتی ہوں۔ لیکن مجھے کچھ تجھ سے حاصل نہیں ہوتا۔ ایسی تدبیر کبھی نہیں بتاتا کہ جس کے باعث اِس سے ملوں۔ اور اپنے مقصد کو پہنچوں۔ اگرچہ اس کام میں دیر ہوئی ہے۔ طوطا بولا۔ اے خجستہ! میں اسی تدبیر میں ہوں۔ تو خاطر جمع رکھ۔ میں تجھے تیرے یار کے پاس پہنچائے دیتا ہوں۔ سن بی بی! عاقل اُسے کہتے ہیں۔ جو اپنا آغاز و انجام سمجھتا رہے۔ اور جو اپنے نیک و بد پر نظر نہیں رکھتا۔ وہ آخر پشیمان ہوتا ہے۔ جس طرح سے شاہ پور نے اپنی قوم کا کھانا مانگا اور شرمندہ ہوا۔ خجستہ نے پوچھا کہ شاہ پور کون تھا؟ اور اُس کا قِصّہ کیونکر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ عرب کے ملک میں ایک گہرا کنواں تھا۔ اور اُس میں بہت سے مینڈک رہتے تھے۔ شاہ پور نام ایک مینڈک ان کا سردار تھا۔ جب وہ مینڈکوں پر بہت ستم کرنے لگا۔ تب وے سب گھبرا گئے۔ اور آپس میں مشورت کر کے کہنے لگے۔ ہم اس کے ہاتھ سے عاجز آئے ہیں۔ اِس کو موقوف کر دیجئے۔ ایک اور کو اپنی قوم سے سردار مقرر کیجئے۔ یہ بات مقرر کر کے اِن مینڈکوں نے اِس کو تغیّر کیا۔ اور دوسرے کو سردار۔ وہ وہاں سے لاچار ہو کر ایک سانپ کے بل کے پاس گیا۔ اور آہستہ آہستہ بولنے لگا۔

سانپ نے بل سے سر نکالا۔ اور مینڈک کو دیکھ کر ہنسا۔ اور کہنے لگا۔ اے احمق! تُو تو میرا نوالہ ہے۔ کیوں اپنی جان دینے میرے پاس آیا ہے۔ مینڈک نے کہا۔ میں

اپنی قوم کا سردار ہوں۔ اور فلانے کنوئیں میں رہتا ہوں۔ تمہارے پاس اپنی قوم کی فریاد لایا ہوں۔ کہ داد پاؤں۔ اور بہبودی کو پہنچوں۔ سانپ بہت خوش ہوا۔ اور اُس کو دلاسہ دے کر کہنے لگا۔ کہ تو وہ کنواں مجھے دکھا دے۔ کہ میں وہاں جاؤں۔ اور تیرا بدلہ اُن سے لوں۔

آخر سانپ اور مینڈک باہم ہو کر اس کوئے (کنوئیں) پہ جا پہنچے۔ اور اُس کے اندر اُتر گئے۔ سانپ جب کتنے دنوں میں ان مینڈکوں کو کھا چکا۔ تب شاپور سے کہنے لگا۔ کہ آج میں نہایت بھوکا ہوں۔ کچھ ایسی تدبیر کر۔ کہ جس سے میرا پیٹ بھرے۔ تب شاپور ڈرا اور نہایت پشیمان ہوا۔ کہ میں نے یہ کیا کیا؟ کہ اس سانپ سے مدد چاہی۔ اور اپنی برادری برباد کی۔ تیر اب جو ہوا سو ہوا۔ یہ کہہ کر سانپ سے کہا۔ کہ تم نے مجھ پر۔ جو مہربانی کی۔ جو بدلا میرا ان مینڈکوں سے لیا۔ اب آپ اپنے گھر سدھاریں۔ سانپ نے کہا۔ کہ میں تجھے تنہا چھوڑ کر نہ جاؤں گا۔ تب شاپور نے کہا۔ کہ ایک اور کنواں یہاں سے بہت نزدیک ہے۔ اور اس میں بہت سے مینڈک رہتے ہیں۔ اگر کہو تو ان کو بھی کسی مکر و فریب سے یہاں لے آؤں۔ یہ بات سانپ کو بہت پسند آئی۔ اور اُسے رُخصت کیا۔ غرض وہ اِس بہانے اِس کنوئیں سے نکلا۔ اور کسی تالاب میں جا کر چھپ رہا۔ آخر سانپ کئی دن اِس کی راہ دیکھ کر کنوئیں سے نکلا۔ اور اپنے گھر چلا گیا۔

طوطے نے یہ قصہ تمام کر کے کہا۔ اے خجستہ! اب دیر مت کر۔ شتاب جا اور اُس سے مل۔ جوں اس نے چاہا۔ کہ جاوے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ اور فجر کے جانور بولنے لگے۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب اِس شعر کو پڑھ کر آنسو آنکھوں میں بھر لائی۔

ہم دم ہم تو ہو گئے آخر دوں ہیں مثلِ شمع سحر
جوں ہیں اِس کے منہ سے نکلا۔ صبح ہوئی اب رات نہیں

چودھویں کہانی

یہ ہے کہ ایک شیر کی جگہ کسی سیاہ گوش نے لے لی۔

جب آفتاب چھپا۔ اور چاند نکلا۔ خجستہ کپڑے بدل۔ گہنا پہن۔ منہ بنائے تیوری چڑھائے رُخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ اے طوطے! میں ہر ایک شب تیرے پاس رُخصت لینے آتی ہوں۔ اور حالت اپنی بے قراری کی دکھلاتی ہوں۔ کچھ کہانی سننے نہیں آتی۔ جو تو ناحق میرا مغز پھراتا ہے۔ جھوٹ موٹ کے قصے سناتا ہے۔ مثل مشہور ہے۔ بخی سے سوم بھلا۔ جو تُرت دے جواب۔ طوطا بولا۔ اے کدبانو! میری بات سے کچھ تیرا نقصان نہ ہوگا۔ بلکہ ہر ایک گُن فائدہ بخشے گا۔ بہتر یہ ہے۔ کہ آج جلدی جا۔ اور اپنے معشوق سے ملاقات کر آ۔ اگر کوئی دشمن وہاں پہنچے۔ اور تجھے شرمندہ کرے۔ تو تو بھی سیاہ گوش کی طرح مکر سے ایک حیلہ کرنا اور اپنی بات بنانا۔

خجستہ نے پوچھا۔ اِس سیاہ گوش کی کہانی کیوں کر ہے؟

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی جنگل میں ایک شیر رہتا تھا۔ اور ایک بندر اُس کا مصاحب تھا۔ اتفاقاً شیر کسی اور مکان کی سیر کو چلا۔ اور بندر کو اپنی جگہ پر بٹھا کر کہنے لگا۔ کہ جب تک میں یہاں آؤں۔ تب تک تو اِس مکان سے خبردار رہنا۔ اور کسی کو اس میں رہنے نہ دینا۔ بعد کئی دن کے ایک سیاہ گوش نے اِس مکان کو لے لیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ اس واسطے کہ وہ مکان نہایت اچھا تھا۔ تب بندر نے کہا۔ کہ اے سیاہ گوش! یہ مکان شیر کا ہے تیری کیا قدرت؟ کہ تو بے حکم اِس کے یہاں رہے۔ یہ بات اچھی نہیں۔ تب سیاہ گوش نے جواب دیا۔ کہ یہ مکان میرے باپ کا ہے۔ میں نے اپنے باپ کی میراث میں پایا ہے۔ تجھے خبر نہیں۔ اور اگر یوں ہی ہے۔ تو تجھے کیا۔ آگ جانے لوہار جانے۔ یہ بات سن کر بندر چپ ہو رہا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ مجھے کیا۔ جو کوئی جیسا کرے گا۔ سو ویسا پاوے گا۔ پھر سیاہ گوش کی مادہ نے کہا۔ کہ بہتر ہے۔ اس جگہ کو چھوڑ دے۔ کیوں کہ شیر سے بلا بھی وہ کرے۔ جو اپنی جان دیوے۔ تب سیاہ گوش نے کہا۔ اے مادہ! جس وقت وہ یہاں آوے گا۔ میں ایک حیلہ کر کے اُس کو اس جگہ سے ٹال دوں گا۔ تو خاطر جمع رکھ۔ کچھ پروا نہیں۔

القصہ بعد کئی دن کے شیر کے آنے کی خبر معلوم ہوئی۔ بندر پیشوا لینے گیا۔ اور سیاہ گوش کے احوال سے اس کو آگاہ کیا۔ اور کہا۔ میں نے اسے منع کیا تھا۔ کہ اس مکان میں مت رہ۔ کیونکہ یہ شیر کی اَگرہ ہے۔ تیرے حق میں یہاں کا رہنا بہت بُرا ہے۔ تب اس نے جواب دیا۔ کہ یہ مکان میں نے اپنے باپ کے ورثے میں پایا ہے۔ کچھ شیر کے دادے کا نہیں ہے جو چھوڑ دوں۔ اور آپ جگہ کی خاطر حیران پھروں۔ یہ سُن کر اُس نے کہا۔ کہ اے بوزنے! اِس کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ سیاہ گوش نہیں۔ بلکہ مجھ سے بھی زیادہ قوت رکھتا ہے۔ جو ایسی بے دھڑک بات کہتا ہے نہیں تو سیاہ گوش کی کیا قدرت۔ جو میری جگہ چھینے۔ تب بندر نے کہا۔ کہ صاحب! مجھے اپنے خدا کی قسم! وہ اجل گرفتہ سیاہ گوش ہے۔ کوئی اور جانور تم سے قوی تر نہیں۔ اگر اس پر آپ کی ایک ذرہ بھی آنکھ پڑے گی۔ تو اس کی جان ہی نکل جائے گی۔ آپ چل کر اسے دیکھیں۔ میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں۔ جو آپ سے کچھ کا کچھ کہوں۔

تب بندر سے شیر نے کہا۔ اے بوزنے! خدا برحق ہے۔ یہ کیا کہتا ہے اکثر جانور ایسے ہیں۔ کہ وہ دیکھنے میں چھوٹے ہیں اور شجاعت و قوت میں مجھ سے بڑے۔ شاید انہیں میں سے وہ بھی ہو۔ یہ کہہ کر شیر ڈرتے ڈرتے اپنی جگہ کی طرف چلا۔ اور سیاہ گوش نے اپنی مادہ سے اس کے پہنچنے سے پہلے ہی کہا تھا۔ کہ جس وقت شیر اس جگہ پہنچے۔ تو اپنے بچوں کو رلا دینا۔ اور اگر میں پوچھوں۔ یہ کیوں روتے ہیں؟ تو تو کہنا کہ آج یہ تازہ گوشت شیر کا مانگتے ہیں۔ باسی نہیں کھاتے۔

القصہ جب شیر اس مکان کے قریب پہنچا۔ اور بچوں نے رونا شروع کیا۔ سیاہ گوش نے پوچھا۔ کہ یہ کیوں دھوم مچاتے ہیں؟ مادہ نے جواب دیا۔ بھوکے ہیں۔ سیاہ گوش نے کہا کہ میں نے کل ہی اتنا گوشت شیر کا لا کر دیا تھا۔ کیا اِس میں سے کچھ بھی باقی نہیں؟ تب اُس کی مادہ نے کہا۔ کہ جتنا بچا تھا۔ سو دھرا ہے۔ پر یہ تازہ مانگتے ہیں۔ تب اس نے بچوں سے کہا۔ کہ تم ذرا دم لو۔ اور خاطر جمع رکھو۔ میں نے سنا ہے۔ کہ آج اِس جنگل میں ایک بہت بڑا شیر آیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ ابھی میں اسے مار لاتا ہوں۔ اور تمہیں مزے سے پیٹ بھر بھر کر کھلاتا ہوں۔

شیر اس بات کے سنتے ہی بے اختیار جی چھوڑ کر بھاگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سچ مچ مجھ کو پکڑ کے اور اپنے بچوں کو کھلا دے۔ اتنا نہ سمجھا۔ کہ یہ سیاہ گوش ہے۔ اور بندر سے کہا۔ کیوں میں نہ کہتا تھا۔ کہ وہ سیاہ گوش نہیں۔ بلکہ کوئی بڑا زور آور جانور ہے۔ کہ جس نے میرا گھر چھین لیا ہے۔ بندر نے کہا۔ اے شیر! وہ تجھے فریب دیتا ہے۔ مت ڈر۔ کہ نہایت کمزور اور چھوٹا جانور ہے۔

شیر یہ سن کر پھر اپنے گھر کے پاس آیا۔ اور سیاہ گوش کی مادہ نے بچوں کو پھر رلایا۔ تب اسکے نر نے پوچھا۔ کہ اب کیوں بچے غل کرتے ہیں؟ ان کو چپ کروا۔ البتہ آج شیر کا گوشت میرے ہاتھ لگے گا۔ کیونکہ ایک بندر میرے دوستوں میں سے ہے۔ وہ بھی مجھ سے اقرار کر گیا ہے۔ اور قسم کھائی ہے۔ کہ میں آج کسی نہ کسی طرح سے ایک شیر کو تیرے پاس لے آتا ہوں یقین ہے۔ وہ اس کو کسی فریب سے لاوے گا۔ ایک دم توقف کر۔ ان کو بہلا۔ لیکن پکار کر مت بول۔ کہ وہ آواز سن کر ادھر نہ آوے گا۔

شیر نے یہ جوں ہی سنی۔ وہیں اس بندر کو چیر ڈالا۔ اور بھاگ گیا۔ پھر ادھر منہ نہ کیا۔

طوطے نے یہ کہانی تمام کرکے کہا۔ اے خجستہ! آج ساعت اچھی ہے۔ اور وقت نیک ہے۔ جلدی جا اور اپنے معشوق سے مل۔

خجستہ یہ سنتے ہی اُٹھی۔ اور چاہا۔ کہ جاوے۔ کہ صبح ہوئی۔ اور مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز موقوف ہوا۔ تب یہ بیت پڑھی اور آبدیدہ ہوئی۔

اپنے جانے کا نہ واں دن کو ہے، نہ رات کو ڈھب
دیکھیے کیسے بنے آن پڑی بات کو ڈھب

○

پندرھویں نقل

یہ کہ زریر جلاہے کے نصیب نے اس کے ساتھ یاوری نہ کی ہے۔

جب آفتاب چھپا اور ماہتاب نکلا۔ تب خجستہ بعد پہر رات کے خاص پوشاک پہن اور اچھے جواہر سے بن ٹھن طوطے کے پاس رخصت لینے گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے طوطے! ایک مُدت سے میں تیری نصیحتیں مانتی ہوں۔ اور باتیں سُنتی ہوں۔ لیکن مجھے کچھ تیری دوستی سے حصول نہ ہوا۔ طوطا بولا۔ اے کدبانو! تو مجھ پر کیوں غضب ہوتی ہے؟۔ میں تو ہر شب ترغیب دیتا ہوں۔ کچھ میری تقصیر نہیں۔ تیری قسمت بُری ہے۔ جو تجھ سے بُرائی کرتی ہے۔ جس طرح زریر کے طالع نے زریر سے موافقت نہ کی۔ خجستہ نے پوچھا۔ اِس کی نقل کیوں کر ہے؟ بیان کر۔ طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں زریر نامی ایک شخص ریشمی کپڑا بُنتا تھا اور ایک دم اس کام سے ہاتھ نہ اٹھاتا۔ لیکن اُسے کچھ فائدہ نہ ہوتا اور موٹا کپڑا بُننے والا اس کا ایک دوست تھا۔ ایک دن وہ اُس کے گھر گیا۔ اور دیکھا۔ کہ گھر اس کا زر و زیور و مال و اسباب سے دولتمندوں کی طرح بھرا ہوا ہے۔ حیران ہوا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ میں کپڑا لائق دولت مندوں کے اور قابل بادشاہوں کے بناتا ہوں۔ کیا سبب ہے۔ کہ میری روٹی کو لون بھی میسر نہیں۔ اور اس گندہ بافندے نے اتنی دولت کہاں سے پیدا کی؟

اسی فکر میں اپنے گھر آیا۔ اور اپنی جورو سے کہنے لگا۔ کہ میں اب اس شہر ناپرسان میں نہ رہوں گا۔ کیونکہ یہاں کے لوگ میری قدر نہیں جانتے اور میری کاریگری کوئی نہیں سمجھتا۔ لازم ہے۔ کہ کسی اور شہر میں جاؤں۔ کہ وہاں میرا کسب چمکے۔

میں اب شہر بیگانگی میں جاؤں گا
زر نقد وہاں سے کما لاؤں گا

یہ سن کر اس کی عورت مُسکرائی۔ اور یہ بیت پڑھنے لگی۔

یہی بخت گر یاں سے لے جاؤ گے
تو کیا خاک واں سے کما لاؤ گے

پھر سمجھانے لگی۔ کہ اپنا ملک چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ مت جا۔ جو تیری قسمت میں ہوگا سو یہیں ملے گا۔ اور اِس سے زیادہ کہیں نہ ملے گا۔

القصہ اُس نے اِس کا کہنا نہ مانا۔ کسی طرف چلا گیا۔ اور ایک شہر میں جا پہنچا۔ مدت تک وہاں اپنا کسب کرتا رہا۔ جب بہت سے روپے پیدا کیے۔ تب گھر کی راہ لی۔ ایک رات کسی جگہ اُترا۔ اور آدھی رات تک جاگا۔ آخر مارے نیند کے سو گیا۔ کہ ایک چور آیا۔ تھیلی روپوں کی لے گیا۔ زریر بھی چونکا۔ اور اُس کے پیچھے دوڑا۔ جب اس کو نہ پکڑ سکا تب لاچار پھر اس شہر میں گیا۔ جب بہت روپے پھر جمع کیے۔ تب گھر کو روانہ ہوا۔

پہر رات گئے کسی جگہ اُترا۔ اور مال پر ہر چند احتیاط کی۔ لیکن اُس کو بھی چور لے گیا تب اس غریب نے اپنے جی میں کہا۔ کہ زر میری قسمت میں نہیں ہے، اس سبب سے چور لے جاتا ہے۔ آخر خالی ہاتھ اپنے گھر گیا۔ اور احوال اپنا جورو سے کہا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میں نے تجھے پہلے ہی کہا تھا۔ کہ نصیب کے سوا کسی جگہ کچھ نہ پاوے گا۔ کہنا میرا تو نے نہ سُنا۔ اور سفر کو گیا۔ کہہ۔ اب کیا فائدہ پایا تو نے؟ زریر شرمندہ ہوا۔

طوطے نے یہ قصہ تمام کرکے خجستہ سے کہا۔ اب دیر مت کر۔ جا اور اپنے جانی کو گلے لگا۔ خجستہ نے سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اور اُسے اپنے سینے سے لگاوے۔ اتنے میں فجر ہوئی مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف رہا۔ تب یہ فرد پڑھ پڑھ کر رونے لگی۔

شب اُمید ہو گئی آخر
اور فرصت نے پھر دکھایا منہ

○

سولھویں داستان

یہ ہے۔ کہ چار مالدار مفلس ہو گئے۔

جب سورج چھپا۔ اور چاند نکلا۔ خجستہ با سینۂ پُرسوز چشم گریاں روتی۔ آہیں بھرتی ہوئی طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی

اے سبز پوش طوطے! میں عشق کے غم سے موئی جاتی ہوں۔ اور تو ہر ایک شب میری نصیحت اور گفتگو سے کھو دیتا ہے۔

نصیحت کی باتیں نہ مجھ کو سُنا!
میں عاشق ہوں مجھ کو نصیحت سے کیا

طوطے نے کہا۔ اے خجستہ! یہ کیا کہتی ہے۔ دوستوں کی بات ماننا چاہیئے۔ کیونکہ جو کہنا دوستوں کا نہیں مانتا۔ وہ خراب ہوتا ہے۔ اور پشیمانی کھینچتا ہے۔ جس طرح سے ایک شخص پشیمان ہوا تھا۔ خجستہ نے کہا۔ میرے اچھے طوطے! میں صدقے تیرے۔ وہ کون سی نقل ہے کہہ!

طوطا بولا۔ کہ شہر بلخ میں کسی وقت چار یار مالدار رہتے تھے۔ اتفاقاً وے چاروں مفلس ہو کر ایک حکیم کے پاس گئے۔ اور ہر ایک نے اپنا اپنا احوال اس کے آگے ظاہر کیا۔ تب حکیم کو ان کے اوپر رحم آیا۔ اور ایک ایک مہرہ حکمت کا اِن چاروں کو دے کر کہا۔ کہ یہ ہر ایک مہرہ اپنے اپنے سروں پر رکھو۔ اور چلے جاؤ۔ جس کے سر کا مہرہ جس جگہ گرے۔ وہ اُسی جگہ کو کھودے۔ جو اس میں سے نکلے۔ وہ اس کا حق ہے۔

آخر وے چاروں ہر ایک مہرہ اپنے اپنے سر پر رکھ کر ایک طرف کو چلے۔ جب کئی کوس گئے۔ ایک کے سر کا مہرہ گرا۔ اس نے جو اس جگہ کو کھودا۔ تو تانبا نکلا۔ اس نے اِن تینوں سے کہا۔ کہ میں اس تانبے کو سونے سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اگر تمہارا جی چاہے تو میرے ساتھ یہاں رہو۔ انہوں نے کہنا اس کا نہ سُنا۔ اور آگے بڑھے تھوڑی دُور گئے تھے۔ کہ دوسرے کے سر کا مہرہ گرا۔ اور اس نے جو وہ زمین کھودی۔ تو روپیہ نکلا۔ تب اِس نے اِن دونوں سے کہا کہ ہمارے پاس رہو۔ یہ روپیہ بہت ہے۔ زندگی گذر جائے گی اس کو اپنا ہی سمجھو۔ اُنہوں نے اِس کا کہنا نہ مانا۔ اور آگے بڑھے۔ کہ تیسرے کے سر کا مہرہ گرا۔ اور ان نے بھی جو وہ زمین کھودی۔ تو سونا نکلا۔ تب خوش ہو کر چوتھے سے کہنے لگا۔ کہ اس سے اب کوئی چیز بہتر نہیں ہے۔ چاہتے ہیں۔ کہ ہم تم یہیں رہیں۔ اُس نے کہا۔ میں آگے جاؤں گا تو جواہر کی کان پاؤں گا۔ یہاں کیوں رہوں؟ یہ کہہ کر آگے چلا۔ جب قریب ایک کوس کے پہنچا۔ تب اِس کا بھی مہرہ گرا۔ اِس طرح جو اس نے وہ جگہ کھودی۔ تو لوہا نکلا۔ یہ حالت دیکھ کر نہایت شرمندہ ہوا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ میں نے کیوں سونے کو چھوڑا۔ اور اپنے یار کا کہنا نہ مانا۔ سچ ہے۔

سخن دوست کا جو نہیں مانتے
وہ خاک پشیمانی ہیں چھانتے

اس لوہے کو چھوڑ کر اُس شخص کے پاس گیا۔ جس نے سونے کی کان نکالی تھی وہاں نہ اس کو پایا۔ نہ سونا ہاتھ آیا۔ تب تیسرے روپے والے کے پاس گیا۔ اُسے بھی نہ پایا۔ پھر وہاں سے تکنے والے کے پاس پہنچا۔ اسے بھی نہ پایا۔ تب اپنی قسمت کو رو دیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ زیادہ قسمت سے کوئی نہیں پاتا۔ وہ پھر حکیم کے گھر گیا۔ اسے بھی وہاں نہ پایا۔ تب وہ بچارا نہایت پشیمان ہو کر یہ شعر پڑھنے لگا۔

کسی سے کیسے کہ کیا کیا ہم نے
جو کیا سو بُرا کیا ہم نے

جب یہ کہانی طوطے نے تمام کی۔ تب خجستہ سے کہا۔ جو دوستوں کی بات نہیں مانتا۔ وہ ویسا ہی پچھتاتا ہے۔ خیر اب جا۔ اور اپنے معشوق کو گلے لگا۔ اور مزہ جوانی کا اُٹھا۔ یہ سنتے ہی خجستہ نے چاہا کہ چلوں۔ وہیں صبح ہو گئی۔ اور مُرغ نے بانگ دی۔ تب یہ فرد اپنے حسبِ حال پڑھی اور رو دیا۔

اے شب وصل جلد آ اب تو
روز فرقت مجھے ستاتا ہے

سترھواں قصہ

یہ ہے کہ ایک گیدڑ بادشاہ ہوا۔ اور مارا گیا۔

جب رات آئی۔ اور دن گیا۔ تب خجستہ رُخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور اُسے متفکر دیکھ کر کہنے لگی۔ اے عقلمند! تو کس کے واسطے غم کرتا ہے۔ اور کیوں چپکا بیٹھا ہے؟۔

طوطے نے کہا۔ اے خجستہ! تو بڑے گھر کی بہو بیٹی کہلاتی ہے۔ اور نہیں معلوم کہ معشوق تیرا تجھ سا ہے۔ یا اور کسی قوم سے ہے۔ اگر تجھ سا ہے۔ تو اس سے ملنا مضائقہ نہیں۔ اور نہیں۔ تو اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

اُتم سے اُتم ملے۔ ملے نیچ سے نیچ
پانی سے پانی ملے۔ ملے کیچ سے کیچ

خجستہ نے کہا۔ اے محرمِ راز! یہ تو سچ ہے۔ پر یہ احوال اس کا کیوں کر معلوم کروں؟ طوطا بولا۔ محبت و ہنر آدمی کا زبان سے معلوم ہوتا ہے۔ تو نے شاید قصہ گیدڑ کا نہیں سُنا۔ خجستہ نے کہا۔ اے شیریں دہن! سخن وہ کیونکر ہے؟ کہ میری جان خدا کے لئے۔

طوطے نے کہا۔ کہ ایک گیدڑ تھا۔ کہ وہ ہمیشہ شہر میں جاتا اور ہر ایک آدمی کے باسنوں میں منہ ڈالتا۔ چنانچہ اِسی اپنی عادت سے ایک رات نیل گر کے گھر گیا۔ اور اُس کے نیل کے مٹکے میں منہ ڈالتے ہی اس میں گر پڑا۔ اور تمام بدن اس کا نیلا ہو گیا۔ غرض بہ ہزار خرابی اُس میں سے نکلا۔ اور جنگل کا راستہ پکڑا۔ اور وہاں کے حیوانوں نے اُسے اس رنگ کے باعث نہ پہچانا۔ اور جانا۔ کہ یہ کوئی بڑا جانور ہے۔ اسی کو بادشاہ کیا چاہیئے۔ یہ ٹھہرا کر ان گیدڑوں نے اس کو بادشاہ کیا۔ اور اسکے حکم میں بخوبی در آئے۔ اور وہ سردار گیدڑ اس واسطے کہ کوئی آواز اس کی نہ پہچانے۔ چھوٹے چھوٹے جانوروں کو اپنے پاس کھڑا کرتا۔ چنانچہ دربار کے وقت اس قوم کو صفِ اول میں جگہ دیتا۔ اور لومڑیوں کو دوسری میں۔ ہرنوں اور بندروں کو تیسری میں۔ بھیڑیوں کو چوتھی میں۔ شیروں کو پانچویں میں۔ ہاتھیوں کو چھٹی میں اور کہتا۔ کہ تم سب اپنے اپنے قرینے پر حاضر رہو۔ اور شام کو جس وقت سب گیدڑ بولتے۔ وہ بھی ان کے ساتھ بولتا تھا۔ اسی سبب اس کو کوئی نہ پہچانتا۔

بعد کتنے دنوں کے وہ سردار ان سب گیدڑوں پر خفا ہوا۔ اور ان کو اپنے پاس سے سرکا دیا۔ اور ان کی جگہ شیروں کو اور ہاتھیوں کو دے کر سرفراز کیا۔ جب رات ہوئی تب وے گیدڑ دور سے شور و غل کرنے لگے۔ اور سردار بھی اپنی جگہ پر بولا۔ وے جانور درندے جو اس کے پاس کھڑے تھے۔ اس کی آواز سن کر پہچان گئے۔ اور آپ شرمندہ ہوئے۔ اور اسی گھڑی انہوں نے اس کی تکا بوٹی کر دیا۔ یہ کہہ کر طوطے نے خجستہ سے کہا۔

اے کدبانو! ہر ایک شخص کا عیب و ہنر گفتگو سے معلوم ہوتا ہے۔

کہاں نطق فصیح از طبع ناہنجار ہو پیدا
فغان زاغ سے طوطی کی کب گفتار ہو پیدا
اگر ملک عراق اک ماہ خر سوبار ہو آوے
عراقی کی پر اس میں کاہے کو رفتار ہو پیدا

اب اپنے معشوق کے پاس جا۔ اور اس سے بات چیت کر۔ تا عیب و ہنر اس کا تجھے معلوم ہو۔

یہ سُنتے ہی خجستہ نے چاہا۔ کہ اپنے تئیں اس کے پاس پہنچاوے۔ اتنے میں صبح ہو گئی۔ مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ فرد پڑھی۔ اور رونے لگی۔

اے سحر ہائے کیا کیا تو نے!
وصل کی شب کو کھو دیا تو نے

اٹھارویں کہانی

یہ ہے کہ بشیر نام ایک شخص نے چندر نام عورت سے دوستی کی تھی۔

جب سورج چھپا۔ اور چاند نکلا۔ خجستہ رخصت لینے کے واسطے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے طوطے! میں تیرے پاس ہر ایک شب رُخصت لینے آتی ہوں۔ یا نصیحت سُننے۔ جو تو جھوٹ موٹ اِدھر اُدھر کی باتیں بناتا ہے۔ اور اپنی دانائی دکھلاتا ہے؟۔ کیا خوب

اشک امڈا ہوا پھر ضبط سے کم رُکتا ہے
ناصحا! اُٹھ میری بالیں سے کہ دم رُکتا ہے

طوطا کہنے لگا۔ اے خجستہ! خاطر جمع رکھ۔ اب جلد اپنے یار سے ملے گی۔ جیسے کہ ایک اعرابی نے پہلے مصیبت اُٹھائی۔ تو پیچھے راحت پائی۔

اُٹھاتا نہیں، جب تلک کوئی رنج
تو ملتا نہیں تب تلک اس کو گنج

یہ سخن سُنتے ہی خجستہ نے کہا۔ اے طوطے! تیرے منہ میں گھی شکر۔ میں واری واری۔ وہ کیوں کر مجھ سے ملے گا؟ سچ کہہ۔ مثل مشہور ہے۔ آسا جیسے۔ نراسا مرے۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں بشیر نام ایک جوان خوبصورت رہتا تھا۔ چندر نام ایک عورت صاحبِ جمال سے اس نے دوستی کی۔ بعد ایک مُدت کے احوال ان دونوں کی دوستی کا ظاہر ہوا۔ جب اس کے خصم نے اپنی جورو کو اس کے میکے میں لے جا کر رکھا۔ تب بشیر کو اس کی جدائی میں رات دن کا رونا لگ گیا۔ اور اسی طرح سے آہ و زاری میں اپنی اوقات بسر کرتا تھا۔

کسی ایک اعرابی سے کہ وہ قدیم اس کے دوستوں میں سے تھا۔ جا کر کہا۔ اے دوست

جانی! میں چندر کے گھر جاتا ہوں۔ اگر تو بھی میرے ساتھ چلے۔ تو بہتر ہے۔ کہ لوگ کہتے ہیں۔ ایک سے دو بھلے۔ اعرابی نے اس کا کہنا قبول کیا۔ اور اس کے ساتھ ہولیا۔

بعد دو چار دن کے اِس شہر کے نزدیک پہنچ کر بشیر ایک درخت کے نیچے بیٹھا۔ اور اس اعرابی کو اپنی خبر پہنچانے کے واسطے چندر کے گھر بھیجا۔ آخر وہ شخص اس کے گھر جاکر اُس سے کہنے لگا۔ کہ اے چندر! بشیر نے تجھ کو سلام کہا ہے۔ اور وہ تیری ملاقات کی آرزو میں فلانے درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ یہ خبر سُنتے ہی چندر بے اختیار خوش ہو کر کہنے لگی۔ اے شخص! تو ابھی جا۔ اور میری طرف سے بھی اُسے سلام پہنچا۔ اور یہ پیغام دے۔ کہ رات کو مقرر تیرے پاس اِس درخت کے نیچے آؤں گی۔ اور کچھ کچھ کہنا ہے۔ سو ملاقات پہ موقوف ہے جب ملوں گی۔ تب کہوں گی۔

آخر وہ اعرابی اس کا پیغام لے کر بشیر کے پاس گیا۔ اور جو جو اس نے کہا تھا۔ سو سو بخوبی اُسے سُنا دیا۔ جب رات ہوئی۔ تب چندر ایک نہایت آراستگی سے آئی۔ اور اُس کو گلے لگا کر رونے لگی۔ اور وہ بھی اُس کو چھاتی سے لگا کر بے اختیار رو اُٹھا۔

کہوں کیا میں اس وقت کا ماجرا
کہ جس طرح روتے تھے وہ غل مچا
وہ رو رو کے دو ابرِ غم یوں ملے
کہ جس طرح ساون سے بھادوں ملے

بعد رونے کے بشیر نے کہا۔ اے چندر! آج کی رات تو یہاں رہے گی؟ چندر نے کہا کہ ایک صورت ہے۔ اگر یہ اعرابی ایک کام کرے۔ تو البتہ اعرابی نے پوچھا وہ کیا کام ہے؟ کہہ۔ چندر نے کہا۔ کہ میرے کپڑے پہن کر میرے گھر جا۔ اور گھونگٹ میں منہ چھپا کر چپکے سے انگنائی میں بیٹھ رہ۔ میرا خاوند آوے۔ اور دودھ کا پیالہ لاوے۔ اور تجھے دے کر پینے کو کہے۔ تو تو اُسے نہ لینا۔ نہ اپنا گھونگٹ کھول۔ آخر وہ پیالہ دودھ کا بھرا ہوا تیرے پاس رکھ دے گا۔ اور باہر چلا جائے گا۔ پھر تو اُسے اُسی وقت مزے سے پینا۔ اور اپنا پیٹ بھرنا۔ اعرابی نے یہ سخن قبول کیا۔ اور اُس کے گھر جاکر اُسی طرح اِس کی انگنائی میں گھونگٹ سے منہ چھپا کر چپکا بیٹھ رہا۔ اتنے میں اُس کا خاوند ایک پیالہ دودھ کا لئے ہوئے آیا اور اُسے کہنے لگا۔ جانی! یہ پیالہ میں تمہارے واسطے لایا ہوں۔ گھونگھٹ کھولو۔ اور دُودھ پی لو۔ غرض اُس نے نہ گھونگھٹ کھولا۔ نہ پیالہ لیا۔ وہ غصے ہو کر کوڑے بازی کرنے لگا۔ اور کہنے لگا۔ کہ میں جس قدر منت کرتا ہوں۔ اور تعشق جتاتا ہوں۔ تو نہ منہ کھولتی ہے۔ نہ بولتی ہے۔

حاصل کلام یہاں تک کوڑے بازی کی۔ کہ پیٹھ اس کی نیلی نیلی ہو کر اُدھڑ اُدھڑ گئی۔ اور آپ چلا گیا۔ جب وہ باہر نکلا۔ تب اعرابی کبھی اپنے احوال پر روتا تھا۔ اور کبھی ہنستا۔ اتنے میں چندر کی ماں نے آکر سمجھایا۔ کہ بی بی! تجھے ہمیشہ نصیحت کرتی ہوں۔ کہ بنو! ہر گھڑی نکتوڑا خاوند سے اچھا نہیں۔ جانی! تو اس کی اطاعت کیوں نہیں کرتی؟ اگر بشیر کا غم کرتی ہے۔ تو پھر کبھی خاوند کا منہ نہ دیکھے گی۔

یہ کہہ کر اُس کی بہن کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی ما (ماں) واری۔ تو جا اور اِس کو سمجھا۔ کہ تو کیوں اپنے خاوند سے سازش نہیں کرتی۔ یہ بات سُنتے ہی چندر کی بہن کہ سچ مچ چندر ماہ کی سی خوبصورت تھی۔ آئی اور اعرابی کے گلے لگ کر کہنے لگی۔ بلا! تو اپنے خاوند سے مت روٹھ۔ اعرابی نے اِس کا جو مکھڑا دیکھا۔ تو وہ اپنا دکھ بھولا۔ اور چادر مُنہ سے اٹھا کر کہنے لگا۔ کہ تیری بہن بشیر کے پاس گئی ہے اور مجھے یہاں بھیجا ہے۔ دیکھ تو میں نے اس کے واسطے کیا آفت سہی۔ اب تجھے لازم ہے۔ کہ تو میرے پاس رہے۔ اور یہ راز فاش نہ کرے۔ نہیں تو میں اور تیری بہن دونوں رسوا ہوں گے۔ یہ بات سن کر وہ ہنسی۔ اور اُس کے ساتھ سو رہی۔ قریب صبح کے۔ وہ اعرابی چندر کے پاس گیا۔ اور چندر نے اِس سے پوچھا۔ کہ شب کیوں کر گئی؟ اور تم پر کیا گزری؟ اس نے سب احوال اِس کے شوہر اور بہن کا کہا۔ اور اپنی پیٹھ دکھا کر رو دیا۔ چندر نہایت شرمندہ ہوئی۔

طوطے نے یہ کہانی بیان کر کے کہا۔ اے خجستہ! اب سدھار۔ اور اپنے معشوق سے تکلف اٹھا۔ خجستہ نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اتنے میں فجر ہوئی۔ اور مرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اس روز بھی یوں ہی رہا۔ تب یہ فرد پڑھ کر زار زار رونے لگی۔

مجھے جس سحر نے جدا یار سے
کیا تھا۔ وہی پھر یہ آئی سحر

انیسویں نقل

یہ ہے۔ کہ ایک تاجر کے گھوڑے کی لات سے کسی سوار کی گھوڑی مر گئی۔

جب سُورج چھپا اور چاند نکلا۔ خجستہ اچھے کپڑے پہن رخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ آج فرقت کے باعث کچھ دل کو بے قراری نہایت معلوم ہوتی ہے۔

پہنچا دے یہ پیام کوئی کوئے یار تک
بے اختیاری تمام چکی اختیار تک

اگرچہ میں اپنے محبوب کے پاس جا سکتی ہوں۔ مگر بغیر رخصت تیرے مصلحت نہیں دیکھتی۔ کیونکہ میں تیری عقل پر اعتماد رکھتی ہوں۔ اگر آج کی رات رُخصت دے تو تمام عمر تیری احسان مند رہوں گی۔ اور دعائیں دیا کروں گی۔

طوطے نے کہا۔ اے کد بانو! جو عقل مند ہوتے ہیں۔ سو بے مصلحت کام نہیں کرتے تو خود دانش مند ہے۔ کہ بے مشورت کے کبھی کچھ کام نہیں کرتی۔ یہ سچ ہے۔ اگر کوئی خدا نخواستہ تجھ سے دشمنی کرے گا۔ تو ہرگز تو اپنے شعور کے سبب اور تدبیر کی راہ سے کسی بلا میں نہ پڑے گی۔ جس طرح ایک سوداگر نے اپنے علم اور دانائی کی راہ سے ایک ایسا حیلہ کیا۔ کہ پشیمان نہ ہوا۔

دانا کو کسی طرح سے ذلت نہیں حاصل
حرمت نہیں رکھتا ہے۔ کس طرح سے جاہل

خجستہ نے پوچھا۔ اس کی کہانی کیونکر ہے کہہ؟

طوطا کہنے لگا کہ اگلے زمانے میں ایک سوداگر نہایت عقلمند ایک گھوڑا بدخور رکھتا تھا۔ ایک دن وہ سوداگر اپنے ڈیرے میں بیٹھا ہوا کھانا کھا رہا تھا۔ اسی عرصہ میں ایک شخص گھوڑی پر سوار وہاں آیا۔ اور اُتر کر اُس کو سوداگر کے گھوڑے کے پاس باندھنے لگا۔ اور مستعد کھانا کھانے کا ہوا۔ سوداگر نے اُسے کہا۔ کہ میرے گھوڑے کے پاس نہ باندھو۔ خطا پاؤ گے۔ اور میرے ساتھ کھانا نہ کھاؤ۔ شرمندگی اٹھاؤ گے۔ اس نے یہ بات نہ سُنی۔ گھوڑی کو وہیں باندھا۔ اور آپ سوداگر کے پاس بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔

اس نے کہا۔ تو کون ہے؟ کہ بے میرے کہے میرے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ اس نے اپنے تئیں بہرا بنایا۔ اور کچھ جواب نہ دیا۔ تب سوداگر نے جانا۔ کہ یہ بہرا ہے۔ یا گونگا۔ یہ سمجھ کر چپکا ہو رہا۔ اتنے میں اس گھوڑے نے ایک ایسی لات ماری کہ اِس گھوڑی کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور وہ مر گئی۔ اس سوار نے قضیہ شروع کیا۔ اور کہا۔ کہ قیمت اِس کی میں تجھ سے لا کلام لوں گا۔ تیرے گھوڑے نے میری گھوڑی مار ڈالی ہے۔ پھر اس شخص نے قاضی کے پاس جا کر فریاد کی۔ قاضی نے اس سوداگر کو بلوایا۔ اس نے دربار میں حاضر ہو کر اپنے تئیں

گونگا بنایا۔ جو بات قاضی نے اُسے پوچھی۔ کچھ جواب نہ دیا۔ قاضی نے کہا۔ یہ گونگا ہے اِس کی کچھ خطا نہیں۔ مدعی نے عرض کی۔ کہ حضرت سلامت! آپ نے کیوں کر معلوم کیا۔ کہ یہ گونگا ہے؟ اس نے پہلے ہی مجھ سے کہا تھا۔ کہ یہ گھوڑا شوخ ہے۔ اِس کے پاس اپنی گھوڑی نہ باندھ۔ اب اس نے اپنے تئیں گونگا کیا ہے۔ قاضی نے کہا۔ بے! تو بڑا احمق حرام زادہ ہے۔ آپ ہی اسے منع کرنے کی گواہی دیتا ہے اور آپ ہی گھوڑی کا دعویٰ رکھتا ہے۔ اِس میں اُس کی تقصیر کیا ہے؟ چل دُور ہو سامنے سے۔ غرض قاضی نے اس کو نکلوا دیا۔ اور سوداگر کو رخصت کیا۔

یہ کہہ کر طوطے نے خجستہ سے کہا۔ اچھا اب دیر نہ کرو۔ جاؤ اور اپنے معشوق کو گلے لگاؤ۔ کدبانو نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اور اپنے محبوب کو گلے لگاوے۔ اتنی میں صبح ہوگئی۔ اور مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اس کا اُس روز بھی موقوف رہا۔ تب یہ فرد پڑھی۔ اور رونے لگی۔

اے سحر ہاتھ سے تیرے اب میں
شب اُمید اپنی کھو بیٹھی!

بیسویں داستان

اس عورت کی۔ جو مکر کرکے شیر کے ہاتھ سے بچ گئی۔

جب سورج چھپا اور چاند نکلا۔ خجستہ رُخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے محرم راز! میرے اوپر رحم کر۔ اور آج کی رات جلد مجھے رُخصت دے۔ اور جو مجھ سے کہنا ہے سو جلدی کہہ دے۔ طوطے نے کہا۔ اے کد بانو! میں نے تجھے بارہا آزمایا ہے۔ پر عاقل ہی پایا ہے۔ نصیحت میری کچھ درکار نہیں۔ خدانخواستہ اگر کوئی حادثہ تجھ پر پڑے۔ تو تو بھی ویسے ہی حیلہ کرنا۔ جیسا ایک عورت نے شیر کے ساتھ جنگل میں کیا تھا۔ کہ جس کے سبب کوئی آفت اُسے نہ پہنچی۔ خجستہ نے پُوچھا۔ وہ حکایت کون سی ہے۔ کہہ؟

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی شہر میں ایک شخص تھا۔ اُس کی جورو نہایت بدخو اور زبان دراز تھی۔ ایک دن اُس کے شوہر نے کسی تقصیر پر کئی کوڑے مارے اِس کو۔ وہ عورت اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر جنگل میں چلی گئی۔ اتفاقاً ایک شیر نظر آیا۔ اِس کو دیکھ کر ڈری اور ہراساں ہو کر کہنے لگی۔ میں نے بُرا کیا۔ جو شوہر کی بے مرضی باہر آئی۔ اگر اب کچھ آفت اِس شیر کے ہاتھ سے مجھ پر نہ پڑی۔ تو پھر کبھی گھر سے نہ نکلوں گی۔ اور اُس کی فرمانبرداری میں رہا کروں گی۔

آخر اس عورت نے ایک بہانہ کر کے شیر سے کہا۔

اے شیر! میرے پاس آ۔ اور ایک بات میری سُن۔ شیر نے متعجب ہو کر اِس عورت سے کہا۔ کیا کہتی ہے۔ کہہ۔

وہ بولی۔ کہ اس جنگل میں ایک ایسا بڑا شیر ہے۔ کہ جس سے آدم و حیوان سب ڈرتے ہیں۔ اور بادشاہ بھی اِس کے کھانے کے واسطے دو چار آدمی بھجوایا کرتا ہے۔ جس طرح سے آج میری اور ان دونوں لڑکوں کی باری ہے۔ اگر تیرا جی چاہے۔ تو ان لڑکوں کو مجھ سے لے۔ اور کھا کر اِس جنگل سے بھاگ۔ تاکہ میں بھی اکیلی ہو کر اپنی راہ پکڑوں۔

یہ بات سُن کر شیر نے کہا۔ اچھا۔ جب تُو نے تمام احوال اپنا مجھ سے کہا۔ تو مجھے لازم نہیں۔ کہ تجھے یا تیرے لڑکوں کو کھاؤں۔ کس واسطے۔ کہ مجھے بھی بھاگنے کی فرصت نہیں۔ یہ کہہ کر شیر نے ایک طرف کی راہ لی۔ اور وہ بھی اپنے بچوں سمیت گھر آئی۔ پھر تمام عمر اپنے خاوند کی فرماں برداری میں رہی۔

یہ کہہ کر خجستہ سے کہا۔ اب دیر مت کر۔ اپنے معشوق کے پاس جا۔

جا کر اپنے یار کے سینے سے لگ سو
رین وفا کے پیر کو دونوں کرے دھو

یہ سنتے ہی خجستہ نے چاہا۔ کہ اُس کے پاس جاوے۔ اور مزہ زندگی کا اٹھاوے۔ اتنے میں صبح ہوگئی۔ مُرغ نے بانگ دی۔ جانا اِس کا اُس روز بھی موقوف ہوا۔ تب یہ دوہا پڑھا۔ اور رونے لگی۔

پیتم یہ مت جانیو کہ تو سے بچھڑے موہے چین
ڈار سے بن کی لاکڑی سلگت ہوں دِن رین

اکیسواں قصہ

بادشاہ اور بادشاہ زادوں اور مینڈک اور سانپ کا یہ ہے۔

جب سُورج چھپا اور چاند نکلا۔ خجستہ رُخصت لینے طوطے کے پاس گئی۔ اور کہنے لگی۔ اے طوطے! وہ کون سا وقت ہوگا۔ کہ اس کے پاس پہنچوں گی؟ اور چاہتی ہوں کہ جاؤں۔ پر نہیں جا سکتی۔

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماریٔ دِل نے آخر کام تمام کیا

اور نہیں جانتی۔ کہ نصیب میرے کیسے ہیں؟ جو اس سے جُدا رکھتے ہیں۔ طوطے نے کہا اے خجستہ! اب دل میرا گواہی دیتا ہے۔ کہ تو جلد اپنے معشوق سے ملے گی۔ لیکن اِس سے ملے۔ تو شرطیں تمام دوستی کی بجا لانا۔ اور کوئی بات باقی مت رکھنا۔ جس طرح سے کہ خدمت شہزادے کی خالص اور مخلص نے کی تھی۔ کدبانو نے کہا۔ کہ حکایت اِن کی کیونکر ہے؟ بیان کر۔

طوطا کہنے لگا۔ کہ کسی وقت میں ایک بڑا بادشاہ تھا۔ اور اُس کے دو بیٹے تھے جب بادشاہ نے اِس دنیا سے کوچ کیا۔ تب تاج و تخت کا مالک بڑا بیٹا ہوا۔ اور اُس نے چاہا۔ کہ چھوٹے بھائی کو مار ڈالے تب وہ بچارا ڈرا۔ اور اِس شہر سے بھاگا۔

بعد کئی روز کے ایک تالاب پہ پہنچ کر کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک مینڈک کو سانپ پکڑے ہے۔ اور مینڈک غل مچاتا ہے۔ اور یہ دوہا پڑھتا ہے۔

یارب ایسے وقت میں ایسا کوئی آئے
منہ سے جو اس سانپ کے میری جان بچائے

یہ دوہا اس مینڈک سے سُنتے ہی شہزادے نے ایسا ڈانٹا۔ کہ مارے ڈر کے سانپ نے منہ چھوڑ دیا۔ مینڈک پانی میں چلا گیا۔ سانپ وہیں کھڑا رہا۔ تب شہزادے نے سانپ سے شرمندگی کھینچی۔ اور یہ بات اپنے جی میں کہی۔ کہ کس واسطے میں نے نوالہ اس کا اس کے منہ سے چھڑایا۔ یہ کیا کیا؟ آخر تھوڑا سا گوشت اپنے بدن سے کاٹ کر شہزادے نے سانپ کے آگے ڈال دیا۔ اور وہ گوشت کی بوٹی منہ میں لئے اپنی مادہ کے پاس گیا۔ اور اُس کی مادہ نے جس وقت کہ گوشت کو کھایا۔ وہ اس سے کہنے لگی۔ کہ تو یہ گوشت مزے دار کہاں سے لایا؟ سانپ نے سب احوال اِس سے کہا۔ تب سانپنی نے کہا۔ کہ جو شخص کہ تیرے ساتھ ایسا احسان کرے۔ پس تجھ کو بھی لازم ہے۔ کہ تو بھی شکر اس کا بجا لاوے اور اس کی خدمت میں حاضر رہے۔

غرض سانپ آدمی کی صورت ہو کر شہزادے کے پاس گیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ نام میرا خالص ہے۔ یہ چاہتا ہوں کہ خدمت میں آپ کی حاضر رہوں۔ شہزادے نے قبول کیا۔ اور وہ مینڈک۔ جو اِس سانپ کے منہ سے چھوٹا۔ تو لہو لہان اپنی مادہ کے پاس گیا۔ اور

یہ سب احوال اپنی مادہ سے کہا۔ تب اُس نے کہا۔ اب تو اِس شخص کی خدمت میں جا کر رہ۔ آخر مینڈک بھی سانپ کیطرح آدمی کی صورت ہوکر شہزادے کی خدمت میں گیا۔ اور کہا۔ کہ نام میرا مخلص ہے۔ آرزو رکھتا ہوں۔ کہ میں آپ کی خدمت میں نوکروں کی طرح حاضر رہوں۔ شہزادے نے اس کو بھی اپنی خدمت میں رکھا۔

پھر وے تینوں وہاں سے چلے اور کسی شہر میں پہنچے۔ شہزادے نے وہاں کے بادشاہ سے جا کر عرض کی۔ کہ میں ایسی شجاعت رکھتا ہوں۔ کہ اکیلا سو آدمی سے لڑ سکتا ہوں۔ اگر ہزار روپے کا روز پاؤں۔ تو خدمت عالی میں حاضر رہوں۔ اور جس وقت جو کام فرمایئے گا۔ وہیں اسے سرانجام کو پہنچاؤں گا۔ بادشاہ نے اس کو نوکر رکھا۔ اور ہزار روپے کا روز مقرر کیا۔ شہزادہ ہرروز ہزار روپے لے کر سو آپ خرچ کرتا۔ دو سو ان ساتھیوں کو دیتا۔ باقی خدا کی راہ میں خیرات کرتا۔ ایک دن بادشاہ مچھلی کے شکار کو گیا۔ اتفاقاً اس کی انگوٹھی دریا میں گر پڑی۔ ہر چند جستجو کی۔ وہ ہاتھ نہ آئی تب شہزادے سے کہا۔ میری انگوٹھی دریا سے نکال لا۔ شہزادے نے اپنے ہمراہیوں سے کہا۔ کہ بادشاہ نے یوں ارشاد کیا۔ انہوں نے عرض کی۔ کہ یہ کون سا کام ہے۔ جو بادشاہ نے تمہیں فرمایا ہے۔ پھر مخلص نے کہا۔ کہ خاطر جمع رکھیئے۔ یہ کام میرا ہے۔ میں بجا لاتا ہوں۔ وہیں مخلص مینڈک کی صورت بنکر دریا میں گیا۔ اور غوطہ مار کر انگوٹھی لے آیا۔ شہزادہ اس انگوٹھی کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا۔ بادشاہ نے انگوٹھی لے لی۔ اور اس پر نہایت مہربانی فرمائی۔

بعد کئی دن کے بادشاہ کی بیٹی کو سانپ نے کاٹا۔ حکیموں نے بہت سی دوا کی۔ لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ تب بادشاہ نے شہزادے سے کہا۔ کہ میری لڑکی کو اچھا کر۔ شہزادہ اس بات سے حیران ہوا۔ اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کہ یہ کام میرا نہیں۔ خالص نے اپنی عقل سے دریافت کیا۔ اور کہا کہ مجھے اس لڑکی کے پاس لے چلو۔ اور ایک خلوت خانے میں ہم دونوں کو بٹھلاؤ خدا کے فضل سے میں اسے اچھا کر دونگا۔ غرض شہزادہ اُسے لے گیا۔ اور ایک حجرے میں دونوں کو بٹھا کر نکل آیا۔

خالص نے اپنے منہ کو اس سانپ کے زخم پر رکھا۔ اور زہر چوس لیا۔ لڑکی اُسی وقت اچھی ہو گئی۔ تب بادشاہ شہزادے سے یہاں تک خوش ہوا۔ کہ اِس لڑکی کا بیاہ اُس کے ساتھ کر دیا۔ اور اپنا ولی عہد کیا۔

کئی دن کے بعد خالص اور مخلص نے عرض کی۔ اب ہم رخصت چاہتے ہیں۔ شہزادے نے کہا۔ کہ یہ کون سا وقت ہے۔ کہ رخصت مانگتے ہو۔ خالص نے کہا۔ کہ میں وہی سانپ ہوں۔ کہ مجھے گوشت اپنے بدن کا کھلایا تھا تو نے اور مخلص نے کہا۔ کہ میں وہی مینڈک ہوں۔ کہ مجھے سانپ کے منہ سے چھڑایا تھا۔ اب اُمیدوار ہیں۔ کہ اپنے اپنے گھر جاویں۔ شہزادے نے دونوں کو رخصت کیا۔

یہ کہانی خجستہ سے طوطے نے کہہ کر کہا۔ اچھا اب جا اور دیر نہ لگا۔ کہ بانو نے یہ سنتے ہی چاہا۔ کہ جاوے۔ اور اپنے یار کو گلے لگاوے۔ اتنے میں صبح ہوئی۔ مرغ بولا۔ جانا اس کا اُس روز بھی موقوف رہا۔ تب یہ دوہا پڑھ کر رونے لگی۔

مین ورُو ڈھونڈھت ڈھبیؔ اور نیر رہیو بھرپور
انجن کارن بیبھیو تنک چرن کی دھور!

ہر ماہ ۶ روشن کتابیں
روشن کتابوں کے چار روشن سلسلے

①

دُنیا کی ہر قومی اور علاقائی زبان میں مختلف موضوعات پر روشن کتابوں کا انتخاب۔ ہر مہینے کی یکم، دسؔ اور بیسؔ تاریخ کو تین روشن کتابوں کی صورت میں آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

②

اُردو نثر کی داستان

اُردو کے نثری ادب کا منزل بہ منزل تاریخی و ادبی جائزہ
ہر ماہ کی یکم تاریخ کو
ایک روشن کتاب کے ساتھ!

③

مُسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا تاریخ اسلام کے آئینے میں
ہر ماہ کی دسؔ تاریخ کو
ایک روشن کتاب کے ساتھ!

④

اُردو شعر کی داستان

اُردو شعر کا ایک مستند تاریخی و ادبی سلسلہ
ہر ماہ کی بیسؔ تاریخ کو
ایک روشن کتاب کے ساتھ!

مطبوعات شیخ غلام علی
ادبی مارکیٹ، چوک انارکلی، لاہور

○